فیضانِ حرا



ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری
(صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار)

فیضانِ حراء

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

(صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار)

حق پبلی کیشنز

2-A سید پلازہ، چیٹرجی روڈ اُردو بازار لاہور

یا اللہ تیرا شکر ہے

''رحمتیں، برکتیں، وسعتیں''

ناشر: عدیل حق، محمد اجمل

کتاب .... فیضانِ حراء

مصنف .... ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

اشاعت 2014ء

کمپوزنگ .... انس چوہدری

قیمت ....

حق پبلی کیشنز

2-A سید پلازہ، چیٹرجی روڈ اُردو بازار لاہور

فون: 0092-42-37220631-33

0092-300-9422434

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو نہایت عقیدت، محبت اور ادب واحترام کے ساتھ
سیدۃ النساء العالمین، جگر پارۂ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

اور ان کے سرتاج، سلطنت فقر وغنا کے شہنشاہ
شیرِ یزداں، مولائے کائنات

سیّدنا علی حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ

کے حضور پیش کرتا ہوں

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمٖ
مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمٖ

﴿صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ﴾

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علی حبیبہٖ سیدنا محمد وعلی وآلہٖ وسلم

اُجالوں کا سفر

تمام حمد وثناء اور سب تعریفیں اللہ ربّ العزّت کی ذات لاشریک کے لیے جو تمام جہانوں کا خالق اور پروردِگار ہے اور تمام مخلوقات کو درجۂ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ جو ہمیشہ مہربانی کرنے والا، جود وکرم کے بادل برسانے والا اور رحمتوں کا نزول جاری رکھنے والا ہے۔ یہ زمین و آسمان، شجر وحجر، بحر وبر، چرند، پرند، انسان، حیوان سب اسی کی تخلیق کا جلوہ ہیں۔

سب تعریفیں اسی ذات کو روا ہیں جو یکتا اور واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا کوئی ہمسر نہیں، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ جو کچھ زمین وآسمان میں ہے سب اسی کا ہے۔ اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے۔ وہ سب جانتا ہے جو ظاہر ہے یا پوشیدہ، سامنے ہے یا پیچھے، جو ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے سب اس کے علم کے احاطے میں ہے۔ اور وہی ہے عظمت ورفعت کا مالک، اس کی تعریف مجھ جیسا نحیف وکم علم انسان کیونکر کرسکتا ہے۔

میں اس ذات ارفع واعلیٰ کی تعریف اس طرح بیان کرتا ہوں جو اس کی ذات کے مقام ومرتبہ اور جود وکرم اور اس کے جلال وحشمت کے لائق اور مناسب

ہے۔ اس کی جلالت وحشمت سے کانپتے ہوئے میں اس سے بے کس ونادار شخص کی طرح مانگتا ہوں جسے اس کی مدد اور عطا کے بغیر نہ نیکی کی توفیق ہے اور نہ بدی سے دامن بچانے کی سکت ہے اور میں اس سے اس ہدایت کا طالب ہوں، جس کے بعد گمراہی نہ ہو۔ ایمان کی وہ حلاوت مانگتا ہوں جس کے بعد کفر وظلمت کا اندیشہ نہ ہو۔

میں اس ذات پاک کی حمد وثناء کرتے ہوئے اپنے اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ تو کوئی نجات دینے والا ہے، اور نہ گناہ معاف کرنے والا ہے۔

اے خالق ومالک! میں تجھ سے سوالی ہوں ایمانِ کامل کا، یقین راسخ کا، وسیع رزق کا، تیرا ذکر کرنے والی زبان کا، جلال سے ڈرنے والے دل کا اور حلال وطیب رزق کا۔

حمد وثناء کے بعد ان گنت درود وسلام اس ذاتِ پاک پر جو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے، آخری نبی اور تمام رسولوں کے قائد ہیں۔ جن کو امام الانبیاء کا لقب زیبا ہے، جن کے سر پر رحمۃٌ للعالمین ہونے کا تاج سجا ہے۔ جو شفیع عاصیاں ہیں، عاشقوں کی راحت کا ساماں ہیں غریبوں کے انیس وغمگسار ہیں۔ بزم کون ومکاں کے تاجدار ہیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ ساتھ بلند فرمایا، جن کو شفاعتِ کبریٰ کا منصب عطا کیا، مقامِ محمود کا وعدہ کیا۔ جو صاحبِ کوثر ہیں۔ مخلوقات میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔ جن کا حسنِ اخلاق سب سے کامل اور تمام انسانیت کیلئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اور از روئے نسب، نسل، خاندان، گھربار، ہجرت اور مسکن سب لوگوں سے بہتر ہیں۔ جو حرا کی چوٹی سے کائنات کی رہبری وراہنمائی کا نسخۂ کیمیا لے کر آئے، اور فاران کے پہاڑوں پر ایسا نور پھیلا دیا کہ تمام جہاں سے کفر وظلمت کے اندھیرے کافور ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ درود وسلام بھیجے، آپ کی ذاتِ والا پر، آپ کی آل پر جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کرتے رہیں اور غفلت کرنے والے اس کے ذکر سے غافل رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ درود بھیجے آپ پر اولین وآخرین میں ایسا درود جو افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہو، اور درودِ پاک کے ذریعے اللہ ہم سب کی طہارت فرمائے اور آپ کو ہماری طرف سے ایسی جزاء عطا فرمائے جو اس نے کسی رسول کو اپنی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دینی موضوعات پر کچھ لکھنا بہت کٹھن اور دشوار کام ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت اور شاہِ جود وسخا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتِ واسعہ کا صدقہ ہے کہ مجھ جیسے کم علم، نافہم اور گنوار آدمی کو بھی یہ سعادت مل رہی ہے کہ میں نے تقریباً دس سال قبل ''بارانِ نور'' کے عنوان سے درودِ پاک کے حوالے سے کتاب لکھنے کا جو سلسلہ شروع کیا وہ ماہِ عربؐ، قندیلِ حرم، خیر البشرؐ اور سیّد العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہوا آج ''فیضانِ حراء'' تک آ پہنچا ہے میں اپنے مقدر پر نازاں ہوں کہ میرا قلم جب بھی رواں ہوا ہے تو ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی رواں ہوا ہے۔ اور میری تمام ناتمام نگارشات کا موضوع نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا آپ سے نسبت رکھنے والے موضوعات اور شخصیات ہی رہی ہیں۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اس کتاب کا نام ''فیضانِ حراء'' رکھنے کا مقصد اس بات کا اظہار ہے کہ مجھے غارِ حراء سے کس قدر پیار ہے۔ میں کس قدر سعادت مند تھا کہ رمضان کی ایک صبح اس منبعِ نور غار تک پہنچا جو جبلِ نور کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور اب غارِ حرا کے بہت نیچے جبلِ نور کے شروعات میں کھڑا ہو کر حسرت سے ان راستوں کو دیکھتا ہوں جو اوپر پرنور غار

تک لے جاتے ہیں کہ میں دل کے مرض کی وجہ سے چڑھائی چڑھنے کے قابل نہیں رہا۔ بہرحال میں اپنے قارئین کو بھی کتاب کے مطالعہ سے پہلے اپنے ساتھ جبلِ نور ساتھ لے کر جاؤں گا اور غارِ حرا کے انوار وبرکات سے مستفیض کراؤں گا۔

''وہ رمضان المبارک کی ایک سہانی صبح تھی۔ نماز فجر صحنِ حرم میں کعبۃ اللہ کے پاس ادا کرنے کے بعد میں ایک پرائیویٹ کار میں بیٹھ گیا' جسے ایک نوجوان چلا رہا تھا اس نے مجھے جبل نور کی آبادی میں اس مقام تک پہنچایا جہاں تک اس کی نئ گاڑی جا سکتی تھی۔ وہاں اترنے کے بعد مجھے کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ مکہ کے سبھی باسی ساری رات جاگ کر گزارنے کے بعد اب لمبی تان کر سو رہے تھے۔ میں ایک اندازے سے اوپر چڑھنے لگا کچھ دیر بعد ایک دو سائے نظر آئے جو جبل نور کی چوٹی کی جانب رواں دواں تھے۔ اوپر چڑھنے کے راستے ناہموار اور غیر واضح تھے۔ راستے میں کئی مقامات پر پاکستان کے باسی اپنے فن کا دوہرا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھے۔ یہ راج نما مزدور بلکہ گداگر مختلف مقامات پر سیڑھی تعمیر کر رہے تھے ایک زینہ بنا رہے تھے اور ساتھ ہی ایک کپڑے پہ بچھے ایک ایک ریال کے نوٹ آپ کو دعوت تعاون دے رہے تھے یہ ایک زینہ شاید پورے مہینے میں بھی بن نہیں پاتا۔

خیر مجھے اس دوران ایک پاکستانی ساتھی مل گیا جو سیالکوٹ کا رہنے والا تھا اور بہت باذوق تھا۔ ہم دونوں چڑھتے چڑھتے چوٹی پر پہنچے۔ مکہ شہر پلیٹ میں سجے موتیوں کی طرح نظر آ رہا تھا' جس میں خانہ کعبہ ہیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اب سورج نکل آیا تھا اور فضا میں خنکی کم ہو رہی تھی۔ میں غارحرا کی زیارت کے لئے بے تاب تھا' لہذا چوٹی سے اگلی جانب نیچے اترا۔ ایک نہایت تنگ راستے میں سے ہو کر آگے گئے تو ایک پرنور شفاف اور معطر ومعنبر احاطہ نظر آیا۔ جس کے گلے میں وہ نوری غار تھی جس میں بیٹھ کر سید العالمین خاتم النبیّن سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ غور وفکر اور تدبر کیا

کرتے تھے ۔ اس مقام پر ذرے ذرے میں رچی بسی خوشبوئے نبی محتشم ﷺ زائرین کے قلوب واذہان کو معطر ومعنبر کرتی ہے۔ میں نے یہاں نوافل ادا کئے اور پھر احاطے کی منڈیر پر بیٹھ کر والہانہ انداز میں نعتوں کے گجرے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ مولانا ظفر علی خاں کی یہ نعت تو بار بار میرے لبوں پر خوشبو بکھیرتی رہی ''وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں''۔ صبح کا وقت تھا اس لئے رش کم تھا تاہم چند اور پاکستانی آ گئے جو میری نعتوں سے محظوظ ہونے لگے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی دھوپ میں تمازت نہ تھی بلکہ ایک حلاوت تھی۔

ہر سو نور کی جلوہ گری تھی۔ فضاؤں میں عنبر وکستوری کی مہک رچی بسی تھی، دل میں یہ احساس ایک تفاخر پیدا کر رہا تھا کہ میں آج کتنی بلندی پر فائز ہوں اور کتنا شرف مجھے ملا ہے کہ سرکار دوعالم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں مجھے اپنا سر رکھنے کا شرف ملا ہے۔ یہاں میں نے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بیٹھ کر ہدیہ عقیدت ومحبت پیش کیا۔ غارِ حرا کے اس سفر کو میں ابھی یاد کر رہا تھا کہ ہمارے ڈرائیور صوفی صاحب کی آواز نے مجھے متوجہ کر لیا کہ حاجی صاحب اب چلیں۔ غار حرا کی جانب چڑھتے لوگوں کی ایک لمبی قطار کو دیکھتے ہوئے جبل نور سے آگے منٰی کی طرف بڑھے۔ اے غارِ حرا! تو کتنی عظمت اور شرف والی ہے کہ کائنات کے والی ﷺ نے تجھے اپنی خلوتوں کے نور سے نوازا۔ یہیں بیٹھ کر آپ نے باضابطہ طور پر تاجِ نبوت پہنا اور یہیں سے ''اِقْـــرَأْ بِـاسْـمِ رَبِّـکَ الَّـذِیْ خَلَقَ '' کا پیغام جانفزا لے کر ابدالآباد تک کے انسانوں کے لئے رحمت وشفقت لے کر تشریف لائے۔ اے غار حرا تیری عظمت کو سلام!!''

''فیضانِ حراء'' میں آپ کو رنگا رنگ موضوعات اور مختلف النوع عنوانات ملیں گے جو میری فکر، سوچ، تخیل اور مطالعہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ''فیضانِ حراء'' ایسا گلدستہ ہے جس میں ہر رنگ کا پھول سجا ہے اور ہر قسم کی خوشبو قلب وجگر کو معطر کر رہی

ہے۔ میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ ان مضامین کا مطالعہ محبت، عقیدت اور چاہت سے کیجئے گا، یقیناً حرا کے فیوض وبرکات سے آپ فیضیاب ہوں گے۔

میں نے اس کتاب کو ہر قسم کی تکنیکی اور معنوی غلطیوں سے پاک کرنے کی مقدور بھر کاوش کی ہے، تاہم اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کیجیے گا۔ آخر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی تخریج، تحریر، پروف ریڈنگ اور اشاعت میں حصہ لینے والے تمام احباب کا شکریہ ادا کروں۔ خاص طور پر محترم عدیل حق، عبدالحمید شاہد، محمد حنیف انصاری اور ڈاکٹر اظہار احمد گلزار کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کا تعاون ہر قدم پر ساتھ رہا۔ میرے اہلِ خانہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جو میرے لیے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچاتے رہے۔ آخر میں قارئین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میری اور دیگر تمام بیماروں کی کامل صحت یابی کی دعا کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پہ استقامت عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ دنیا میں زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت میں شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جنت میں رفاقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمائے۔

آمین

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

(صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار) فیصل آباد

18-05-2014، 18 رجب 1435ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علَی النبیّ الامّیّ وعلیٰ آلہٖ وسلّم تسلیما

حاصلِ مطالعہ: سورۂ فاتحہ

چند دن پہلے دوستوں کی ایک محفل میں دینی وملّی موضوعات پر گفتگو چل رہی تھی۔ ہمارے ایک محترم دوست جو کافی عرصہ سعودی عرب اور کویت میں ملازمت کے سلسلہ میں رہ کر آئے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے وہاں فارغ وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآنِ مجید کا مطالعہ کیا تو مجھے قرآن میں دو چیزیں ہی نظر آئیں، اللہ اور قرآن میرے بحرِ تخیل میں تلاطم بپا ہوا کہ اللہ تک رسائی اس کے پیارے رسول سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کیونکر ممکن ہے۔ اور ذکرِ خدا کو ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہم تو ہمیشہ سے اپنے علماء کرام، مفسرین اور بزرگوں سے یہ جو سنتے آئے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟

؎ خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ ﷺ نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

یا امام احمد رضاؒ کے شعر کا کیا مفہوم کیا ہے؟

؎ ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو منکرو
ذکرِ خدا نہیں یہ کنجی سقر کی ہے

اسی طرح حکیم الامّت علامہ اقبالؒ بھی کہہ گئے ہیں۔

؎ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسی دوران میرے ذہن کے دریچے پر قرآن مجید کی یہ آیت دستک دینے لگی:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران:31)

گویا یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی نبی رحمت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک پہنچے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایک حدیثِ پاک میری نظر سے گذری تو بات نکتہ کمال تک پہنچا گئی۔

”سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: (اے حبیب!) اذان میں، اقامت میں، تشہّد میں، جمعہ کے دن منبروں پر، عیدالفطر کے دن (خطبوں میں)، ایامِ تشریق میں، عرفہ کے دن، مقام جمرہ پر، صفا ومروہ پر، خطبۂ نکاح میں (الغرض) مشرق ومغرب میں جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا تو تیرا ذکر بھی میرے ذکر کے ساتھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (کہ اس کا) کوئی بندہ (رات دن) اگر اس کی حمد وثناء کرے اور جنت و دوزخ کے ساتھ ساتھ (باقی تمام ارکانِ اسلام کی بھی) گواہی دے مگر یہ اقرار نہ کرے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے (برگزیدہ) رسول ہیں تو وہ ہرگز ذرہ برابر بھی نفع نہ پائے گا اور مطلق کافر ہی رہے گا“۔ (القرطبی، الطبری، آلوسی، السیوطی)

بہرحال یہ بات تو عیاں ہے کہ دین کا مفہوم اللہ اور قرآن ہی نہیں ہے جیسا کہ ہمارے بعض نادان دوست تصور کرتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت بس ایک پیغام رساں کی طرح ہے۔ بلکہ قرآنِ مجید کا ایسا مطالعہ جس میں صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ نظر نہ آئے محض وقت کا ضیاع ہے۔

میں نے ان تمام نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب پھر سے قرآن مجید اور تفاسیر کا مطالعہ شروع کیا ہے تو ایک اور ہی جہانِ فکر نظر آیا۔ میرا یہ مضمون نہ تو قرآنِ مجید کی تفسیر یا تشریح ہے اور نہ علمی خودنمائی کا مظاہرہ ہے بس اتنا ہے کہ مجھ نافہم، نادان اور کم عقل بندۂ خطا کار نے جو کچھ سمجھا ہے وہ صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ اس میں کمی، کجی یا غلطی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مجھے معاف فرمائے۔ اور ہم سب کو قرآن فہمی کا ذوق اور حلاوت عطا فرمائے۔ (آمین)

آج کے اس مضمون میں سورۂ فاتحہ کے حوالے سے بات ہوگی۔

سورۂ فاتحہ میں سات آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو چالیس حروف ہیں۔ کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں۔ یہ سورہ مبارکہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ یا پھر دونوں مقامات پر نازل ہوئی۔ سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں، جو اس کی اہمیت، شرف اور عظمت کو ظاہر کرتے ہیں:

فاتحہ الکتاب: یعنی قرآنِ مجید (مصحف) کا آغاز اس سے ہوتا ہے۔

امّ القرآن: یعنی قرآن کی اصل اور مقصود۔

سورۃ الحمد: یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا بیان ہے۔

السبع المثانی: یعنی اس میں سات آیتیں ہیں اور یہ سورت دوبار نازل ہوئی۔

امّ الکتاب: حدیث شریف میں اس کو امّ الکتاب یعنی کتاب (قرآن مجید) کی اصل کہا گیا ہے۔

الوافیہ: یعنی سورہ فاتحہ ایسی سورۃ ہے جو نماز میں مکمل پڑھی جاتی ہے۔ آدھی

آدھی کر کے نہیں پڑھی جاسکتی۔

الکافیہ: یعنی دوسری سورتوں کے بدل میں اسے پڑھا جاسکتا ہے مگر کوئی اور سورت اس کے بدلے میں نہیں پڑھی جاسکتی۔

الشفاء: سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے۔ بیماری جسمانی ہو یا روحانی۔

سورۃ الصلوٰۃ: اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ پر الصلوٰۃ کا اطلاق فرمایا ہے۔

سورۃ الدعاء: اس سورت میں دعا کا وہی طریقہ ہے جو انبیاء کرام کا انداز رہا ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے، پھر اس سے سوال کیا جائے اور اپنا مقصود طلب کیا جائے۔

ایک مفسر قرآن علامہ بقاعی نے سورۃ الفاتحہ کے اسماء مبارکہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

(1) فاتحہ کے اعتبار سے ہر نیک چیز کا افتتاح اس سے ہونا چاہیے۔

(2) امّ القرآن کے لحاظ سے یہ ہر چیز کی اصل ہے

(3) اور ہر نیکی کی اساس ہے۔

(4) مثنی (السبع المثانی) کے لحاظ سے دوبار پڑھے بغیر یہ لائق شمار نہیں۔

(5) کنز کے لحاظ سے یہ ہر چیز کا خزانہ ہے۔

(6) الشافیۃ ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔

(7) الکافیۃ: ہر مہم کے لیے کافی ہے۔

(8) الوافیۃ: ہر مقصود کے لیے وافی ہے۔

(9) واقیہ کے لحاظ سے ہر برائی سے بچانے والی ہے۔

(10) رقیہ کے اعتبار سے ہر ناگہانی آفت کے لیے دم ہے

(11) اس میں حمد کا اثبات ہے جو کامل صفتوں کا احاطہ ہے۔

(12)اور شکر کا بیان جو نعمتیں عطا کرنے والے کی تعظیم ہے

(13)اور بعینہ دعا ہے جو مطلوب کی طرف توجہ ہے۔

(14)صلوۃ: ان تمام امور کی جامع ہے۔

(نظم الدرر۔صفحہ 19-20۔مطبوعہ قاہرہ بحوالہ تبیان القرآن)

سورۂ فاتحہ کی فضیلت اور برکات کے حوالے سے محدثین نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔لیکن آغاز میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو سورۂ فاتحہ کی فضیلت کو ظاہر کرتی ہے اور اس میں رسول کریم سید العالمین ﷺ کی عظمت کا بیان بدرجہ احسن و کمال موجود ہے۔

امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا اُبی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابی! اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے۔انہوں نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے۔جلدی جلدی نماز پڑھی، پھر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔"السلام علیک یا رسول اللہ"۔حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔وعلیک السلام اے ابی! جب میں نے تم کو بلایا تھا تو تم کو آنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو میری طرف وحی فرمائی ہے۔کیا تمہیں اس میں یہ حکم نہیں ملا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝﴾ (الانفال:24)

ترجمہ:۔جب اللہ اور رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کردے گی تو (فوراً) حاضر ہو جاؤ'' سیدنا ابی نے کہا۔آپ نے فرمایا۔'' کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایسی سورت کی تعلیم دوں جس کی مثل تورات میں نازل ہوئی نہ

انجیل میں، نہ زبور میں نہ قرآن میں، میں نے کہا، جی! یا رسول اللہ! رسول اللہ نے فرمایا تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے ام القرآن (سورۂ فاتحہ) پڑھی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس کی مثل تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں، نہ زبور میں نہ فرقان میں، یہ السبع المثانی (دو، دو بار پڑھی جانے والی سات آیتیں) ہے، اور وہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

(جامع ترمذی: صفحہ:208)

اس حدیث میں جہاں سورۂ فاتحہ کی انفرادیت کا اظہار ہے کہ اس جیسی سورت کسی اور الہامی کتاب میں نہیں وہاں یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ تمام عبادات اور اعمال کی حیثیت ثانوی ہے، اولین اہمیت نبی کریم سیّد العالمین ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو ہی حاصل ہے۔آپ کے حکم پر حاضر ہونے سے نماز میں مطلقاً فرق نہیں پڑتا اور جو اعمال آپ کی ذات کو نفی کر کے ادا کئے جائیں وہ وقت کا ضیاع تو ہو سکتا ہے مگر عملِ مقبول نہ ہوگا۔یہ ہے دین کی اصل اور ایمان کے کامل ہونے کی نشانی۔

ایک اور حدیث ہے۔سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس دن فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) نازل ہوئی، اس دن ابلیس بہت رویا تھا، اور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ (الطبرانی)

سیدنا عبدالمالک بن عمیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:۔فاتحۃ الکتاب سے ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سننِ دارمی)

الغرض سورۂ فاتحہ بہت فضیلت، سعادت اور برکات کی حامل سورت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی سعادت نصیب

فرمائے۔(آمین)

آیئے اب سورۂ فاتحہ میں بیان ہونے والے چند مضامین کا ذکر کرتے ہیں:

اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا مضمون ہے۔ارشاد ہوتا ہے''الحمد لله رب العالمين ''مفہوم اس طرح ہے۔تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔حمد کا معنی ہے۔شکر،رضا،جزا اور حق کو ادا کرنا۔تحمید کے معنی ہیں اللہ کی بار بار حمد کرنا۔اور محمد کے معنی ہیں جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو۔حمد کسی اور کا حق ہر گز نہیں ہوسکتا یہ صرف اللہ کا حق ہے کیونکہ تعریف کسی حسن اور کمال کی ہوتی ہے۔اور سب کمالات،اوصاف اور حسن و جمال اور انعامات و احسانات کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔تو تعریف بھی اسی کی ہونی چاہیے۔اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات تو ان گنت ہیں۔انسان کی تخلیق سے لیکر موت تک اور نورِ ایمان سے منور کرنے سے لیکر اخروی فوز وفلاح تک ہر نعمت کا گننا ناممکن ہے۔تو پھر اس کی نعمتوں کا شکر اور حمد کیسے ادا ہو!

اور خاص طور پر اگر اللہ کی توفیق اور عنایات شاملِ حال نہ ہوں تو پھر تو یہ کام ناممکن ہے۔تاہم بندہ کو حمد اور شکر جس قدر زیادہ ممکن ہو کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے ربّ ذوالجلال! میں تو تیری ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا کہاں یہ کہ تیری سب نعمتوں کا شکر ادا کروں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"اے داؤد! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہو،تو ہمارا شکر ادا ہو گیا۔پس تم اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق ہمارا شکر ادا کرتے رہو"۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے احسن اور سب سے بڑھ کر حمد خود نبی اکرم ﷺ بیان کریں گے۔جس کا مظاہرہ بروزِ حشر اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوگا۔اگرچہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے۔''اے اللہ! میں تیری ایسی ثناء نہیں کر سکا جیسی ثناء تو خود اپنی کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات،صفات،احسانات،عنایات اور انعامات کا صحیح ادراک اور ان پر اس کی حمد میں سب سے بڑھ کر مصروف رہنے والا آپ ﷺ کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کا نکتۂ کمال روزِ حشر میں ظاہر ہوگا جب ہمارے آقا کریم ﷺ اللہ کی حمد کریں گے۔

''سیدنا انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا،پھر مجھ سے کہا جائے گا۔اپنا سر اٹھاؤ،مانگو ملے گا،شفاعت کرو قبول ہوگی،پھر میں اپنے ربّ کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔پھر میں شفاعت کروں گا،پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔پھر میں گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا،پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس سے مراد ہے جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہماری زبان اور عمل سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد کا اظہار ہوتا رہے۔

اس پہلی آیت سے شانِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار کس قدر خوبصورت انداز میں ہو رہا ہے۔حمد سے مراد تو اصطلاحاً اللہ تعالیٰ کی ثناء اور شکر گزاری ہے اور اس کی تعریف وتوصیف کا اظہار کرتے رہنا ہے۔لیکن محبوب رب العالمین ﷺ کا اسمِ گرامی محمد ہے۔جس کا مطلب ہے کہ جس کی بار بار تعریف کی جائے۔پس کتنا گہرا تعلق اور نسبت ہے محبّ اور حبیب کا۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا ذکر آپس میں

کیسے جڑا ہوا ہے۔

دوسرا مضمون سورۂ فاتحہ میں ''ربّ العالمین'' کا بیان ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ ''الربّ'' اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ وہ ہر چیز کا ربّ ہے۔یعنی ہر چیز کا مالک ہے۔وہ ربّ الارباب اور مالک الملوک ہے۔علماء لغت کے مطابق ربّ سے مراد مالک، سیّد، مدبر اور مہتمم ہے۔اور جب ال ڈال کر الربّ کہا جائے تو اس سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ربّ کا لفظ غیر اللہ پر بھی بولا جا سکتا ہے۔جیسا کہ قرآنِ کریم میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے بارے میں کہا۔''اذکرنی عند ربّك ''یعنی سیدنا یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا کہ اپنے ربّ کے سامنے میرا ذکر کرنا۔یہاں ربّ سے مراد عزیز مصر ہے۔گویا یہ ثابت ہوگیا کہ اگر کسی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کو بولا جائے تو وہ شرک ہرگز نہیں۔کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔لہٰذا اگر نبی کریم ﷺ کو رؤف، رحیم، سمیع، بصیر، شکور، نور، ہادی، فریادرس، مشکل کشا، داتا، دانائے غیب وغیرہ کہا جائے تو یہ بجا ہے کیونکہ ان سب صفات کا اور خصوصیات کا عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔آپ تو صرف اس کی صفات کے مظہر اور اس کی عنایات وانعامات کے قاسم ہیں۔

اگلی بات ''العالمین'' کے حوالے سے ہے۔عالم سے مراد ہے تمام آسمان، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز اور اس کی جمع عالمین اس کی انواع اور اصناف کے لحاظ سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ○﴾ (الشعراء:24-23)

ترجمہ: فرعون نے کہا ربّ العالمین کیا ہے۔(موسیٰ نے کہا) وہ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا ربّ ہے۔اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

یہاں دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ربّ العالمین کا لقب استعمال کیا وہیں نبی کریم ﷺ کو بھی رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الانبیاء:107)

ترجمہ: اے (رسولِ محتشم ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

پس یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور پیارے مصطفیٰ ﷺ کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔اور ہوتا رہے گا۔یہاں دلچسپ اور ایمان افروز بات یہ ہے کہ جب ہمارے آقا سب عالمین کے لیے رحمت ہیں تو پھر اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔پہلی بات یہ کہ جب آپ تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی علم ہے کہ عالمین کی حقیقت کیا ہے، عالمین کے وجود کا اور ان کی کیفیات کا مکمل ادراک آپ کو حاصل ہے۔پھر یہ کہ اگر آپ کو تمام مخلوقات اور موجودات جو عالمین کا حصہ ہیں۔ان کی تکالیف، ضروریات یا حاجات کو دور کرنے کے لیے آپ کو رحمت للعالمین مبعوث کیا گیا ہے تو آپ کو ان کی تکالیف اور حاجات کا علم بھی دیا گیا ہے۔اور پھر یہ کہ عالمین میں جہاں جہاں آپ کی رحمت درکار ہے، وہاں تک آپ کی رسائی بھی ہے اور آپ کو یہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے کہ آپ عالمین کے لیے رحمت کی بادِ بہاری بن کر جائیں۔ان کے خزاں زدہ گلستاں کو سرسبز و شاداب بنائیں۔الغرض سورۂ فاتحہ کی اس آیت نے تو شانِ حبیب رحمٰن ﷺ کو خوب اجاگر کیا ہے۔اور ہمارے اذہان میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کیا ہے۔

اگلی آیت میں ''الرحمٰن الرحیم'' کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا تذکرہ

ہے۔ترجمہ اس طرح سے۔''نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے''۔

رحمت ہے کیا؟ علماء کہتے ہیں کہ رحمت جب اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کا مطلب ہے احسان اور فضل و کرم اور جب رحمت آدمیوں کی طرف منسوب ہو تو پھر اس کا مطلب ہے رأفت اور شفقت۔

رحمٰن، اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کا مطلب ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز پر محیط ہو۔جبکہ رحیم کا معنی ہے جو بہت رحم کرتا ہو۔یہاں دیکھیں، رحیم کی صفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے لیکن یہی صفت اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بھی ہے۔قرآنِ مجید میں ارشادِ باری ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ o﴾ (التوبہ:128)

ترجمہ:۔بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم رسول (سیّدنا محمد ﷺ) آئے، جن پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا سخت دشوار ہے۔وہ تمہاری بھلائی میں بہت حریص ہیں۔اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

پس کتنا عظیم ہے سیّدنا مصطفیٰ کریم ﷺ کی رحمت کا بیان کہ اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں یعنی قرآنِ کریم کی ابتداء میں اپنی جن صفات کا بیان کرتا ہے، انہی کا اطلاق اپنے پیارے حبیب ﷺ کی ذات پر بھی کر رہا ہے۔لیکن یاد رہے کہ رحمٰن ایک ایسی صفت ہے جس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔

اگلی آیت ہے۔

''مالک یوم الدین''

ترجمہ:۔روزِ جزا کا مالک ہے۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی عظمت، حشمت اور شان کو ظاہر کرتی ہے۔یہاں کچھ

مفسرین نے مالک پڑھا ہے اور کچھ نے مَلِک کہا ہے۔

مالک اس کو کہتے ہیں جو اپنی ملکیتی چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔اور ان پر ہر طرح سے قدرت رکھتا ہو۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ o﴾

(الانفطار:19)

ترجمہ:۔یہ وہ دن ہے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہو گا۔

جبکہ دوسرا لفظ مَلِک ہے۔مَلِک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا میں احکام نافذ کرتا ہو۔اس کی رُو سے ترجمہ ہو گا: اس دن صرف اللہ کی ہی بادشاہی ہو گی، وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

سورۂ فاتحہ میں مالک یوم الدین سے مراد ہے روزِ جزا کا مالک اگرچہ ''دین'' کا معنی اور مطلب عادت بھی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی ہے اور دین کا مطلب طاعت بھی ہے۔

یہ دنیا دارالعمل ہے اور ان اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا کا ملنا یومِ آخرت پر اٹھا رکھا گیا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گنہگار اور ظالم آدمی گناہ کے کام تسلسل سے کیے جا رہا ہے۔اور اس کے ظلم و ستم کی آخری حد بھی نہیں آ رہی۔تو اس کو اس کی بدکاریوں اور ظلم ڈھانے کی سزا کے لیے کوئی تو وقت ہونا چاہیے۔اسی طرح ایک مومن آدمی مسلسل نیک کام کیے جاتا ہے اور اس کی نیکیوں کا سلسلہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے لیکن بظاہر اسے ان کا بدلہ ملتا دکھائی نہیں دیتا۔عدل و انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اسے نیک اعمال کا صلہ ملے۔پس نیک آدمی کو اس کے صالح اعمال کا بدلہ دینے اور برے آدمی کو اس کی بدیوں اور ظلم و ستم کا بدلہ دینے کے لیے کوئی وقت مقرر ہو۔کوئی دن ایسا

آئے کہ دونوں کو جزا اور سزا ملے۔ یہی دن روزِ جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰىۚ﴾ (النجم:31)

ترجمہ: اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، تاکہ برے کام کرنے والوں کو ان کی سزا دے اور نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دے۔

یومِ جزا مومن کے لیے بہت مختصر ہوگا جبکہ کافر کے لیے یہ دن بہت طویل ہوگا۔ حدیثِ پاک میں ہے:

''سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ لوگ ربّ العالمین کے سامنے آدھے دن تک کھڑے رہیں گے جو دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ اور مومن پر آسانی کر دی جائے گی۔ جیسے سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک'' (مجمع الزوائد)

یہاں ایک دلچسپ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر نیک آدمی کو اسکے عمل کا صلہ ملے گا تو محبوبِ ذاتِ کبریا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی ان کی تبلیغ اور نسل انسانی کو کفر و شرک کے گھپ اندھیروں سے نکال کر ایمان کے اجالوں کی طرف لانے کا اجر ملنا چاہیے۔ ایسا ہوگا۔ یقیناً روزِ جزا کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کو اعزاز و اکرام سے نوازیں گے اور انہیں کائنات میں سے سب سے اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائیں گے۔ اس روز آپ کی شفاعت گنہگاروں کے حق میں قبول کی جائے گی، آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا اور آپ کی امت کو جنت الفردوس میں داخل کر کے آپ کی عزت افزائی کی جائے گی۔

فقط اتنا مقصد ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مقامِ محمود وہ اعلیٰ جگہ ہے کہ قیامت کے دن سب مخلوقِ خدا اس پر فائز ہونے والی ہستی کی تعریف کرے گی۔ اس دن حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھ میں حمد والا جھنڈا ہوگا۔ آپ کو شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ہوگی۔ اور آپ سب اہلِ ایمان کی شفاعت فرمائیں گے۔ ایک حدیث میں سیدنا جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں۔ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو کلام عطا کیا، اور مجھے دیدار عطا کیا، اور مجھے مقامِ محمود اور حوضِ کوثر کی فضیلت عطا کی گئی۔ (مختصر تاریخ دمشق)

ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ روزِ جزا میں اپنی عزت افزائی کا تذکرہ کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اس پر مجھے فخر نہیں۔ میرے ہاتھ حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر مجھے فخر نہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اور جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا۔ اس پر مجھے فخر نہیں۔ (جامع ترمذی: ص520)

سبحان اللہ ! دیکھیے قرآن مجید کی اولیں سورہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت کے ساتھ ساتھ محبوبِ کبریا ﷺ کی عظمت و رفعت بھی کیسے کیسے ظاہر ہوتی ہے۔

سورۂ فاتحہ کی اگلی آیت ہے ''ایاك نعبد و ایاك نستعین''،

ترجمہ:۔ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

اللہ وحدہٗ لاشریک نے اس کائنات کو زیورِ تخلیق سے آراستہ کیا تو اس کے کوہ و دمن کو سبزہ و گُل سے سرسبز و شاداب کر دیا۔ اس کے بحر و بر کو حسن و زیبائش کے تمام سامانوں سے سجا دیا اور اس کے افلاک کی وسعتوں کو کہکشاؤں اور رنگ و نور سے

آراستہ کر دیا۔ پھر اس کائنات میں عقل وشعور کی دولت سے نوازتے ہوئے انسانوں اور جنّوں کو تخلیق کیا۔ جنّ وانس کی خلقت کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ o﴾ (الذٰریٰت:56)

ترجمہ:۔''اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا''

اللہ تعالیٰ نے بالوضاحت یہ بات بیان کر دی کہ جنوں اور انسانوں کو شرفِ خلقت عطا کرنے کا مقصد اس کائنات کی رنگینیوں اور آسائشوں میں کھو جانا نہیں ہے بلکہ ذاتِ خالقِ کائنات جلّ جلالہ، کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں مزید فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o﴾ (البقرۃ:21)

ترجمہ:۔''اے لوگو اپنے ربّ کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور ان کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا اس لیے کہ تم متّقی بن جاؤ''۔

پس ثابت ہوا کہ انسان کی تخلیق کا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ تمام تر جسمانی، روحانی صلاحیتوں اور قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں صرف کرے اور سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔

تمام عبادات میں نماز ایک ایسی عبادت ہے جو دیگر عبادات مثلاً، زکوٰۃ اور حج کا حسین امتزاج ہے۔ نماز میں بندہ اپنے خالق و مالک کی بندگی کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا اقرار کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور سجدہ کی کیفیت میں اپنی عاجزی بے بسی اور انکساری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نماز خالص اللہ اور اس کے بندے کا معاملہ ہے۔ لیکن قربان جایئے اپنے پیارے آقا ﷺ کی شان وعظمت کے، کہ اللہ

تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حسن کو دوبالا کرنے اور اس کو نکتہ کمال تک پہنچانے کے لیے یہ لازم کر دیا کہ اس کے پیارے حبیب ﷺ پر درود وسلام ہر نماز کے اختتام پر پڑھا جائے۔ اس کے بغیر نہ تو نماز مکمل ہو سکتی ہے اور نہ بارگاہِ الٰہی میں اسے شرفِ قبولیت عطا ہو گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نماز میں اپنے نبی معظم پر درود اور سلام پیش کرنا لازم قرار دے دیا۔ یہ کمال ہے شانِ مصطفوی کا کہ درود وسلام بھیجا جاتا ہے ذاتِ مصطفیٰ ﷺ پر اور عبادت شمار ہو گی اللہ تعالیٰ کی۔ اسی طرح ہاتھ تو صحابہ نے دیا سیدنا مصطفیٰ کریم ﷺ کے ہاتھوں میں اور بیعت قرار پائی اللہ تعالیٰ کی۔ پیروی تو کی آپ ﷺ کی سنتوں کی اور اطاعت ٹھہری اللہ تعالیٰ کی۔ اتباع کی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اور صلہ میں محبت اور رضا ملی ذاتِ باری کی۔

اگلی بات آتی ہے اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہنے کی۔ استعانت کا لفظ عون سے ماخوذ ہے کسی کام پر مدد کرنے والے کو عون کہتے ہیں۔ اور ''ایّاک نستعین'' کا معنی ہے: اے ہمارے ربّ! ہم اپنی عبادات، اپنی طاعات اور اپنے تمام معاملات میں صرت تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ تیرے سوا اور کوئی مدد گار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مالک ومختار اور خالق ورازق ہے اسی کو یہ شان زیبا ہے کہ اس سے استعانت طلب کی جائے کیونکہ وہی حقیقی کارساز اور مددگار ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے۔ سیدنا ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو، تم اللہ کو سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ

نے پہلے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اس چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (جامع ترمذی)

پس حقیقی کارساز اور مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کی عطا اور رضا سے اس کی مخلوق اور برگزیدہ بندے بھی استعانت کرتے ہیں۔ ایک حدیث ملاحظہ کریں:

امام ابنِ شیبہ روایت کرتے ہیں سیدنا ابنِ عباسؓ نے فرمایا: کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ ''اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے، میری مدد کرو''۔

(المصنف: ج:10: صفحہ:390)

ملا علی قاری ''یا عباداللہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ''اے اللہ کے بندو!'' سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مَردانِ غیب مُراد ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں (یعنی اولیاء اللہ)۔

عہدِ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مصیبت اور پریشانی کے وقت ''یا محمدّاہ'' کہہ کر رسول اللہ کو پکارتے تھے۔ علامہ ابنِ اثیر جنگِ یمامہ کا نقشہ کھینچنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''سیدنا خالد بن ولید نے (دشمن کو) کو للکارا اور للکارنے والوں کو دعوتِ جنگ دی، پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق ''یا محمدّاہ'' کہہ کر نعرہ لگایا۔ پھر وہ جس شخص کو بھی پکارتے، قتل کر دیتے'' (الکامل فی التاریخ)

گویا ''یا محمدّاہ'' اور یا رسول اللہ کہنا عین صحابہ کی سنت ہے، کوئی شرک نہیں ہے۔

اسی طرح بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ پیش کر کے دعا کرنا بھی حدیث کے عین

مطابق ہے۔ سیدنا عثمان بن حنیفؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کی میری بینائی چلی گئی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجیے، آپ نے فرمایا، جا کر وضو کرو، اور دو رکعت نماز پڑھ کر پھر کہو، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں اپنے رب کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے حق میں میری دعا قبول فرما اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی کی شفاعت قبول فرما''۔ اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔''

(الترغیب، مجمع الزوائد)

الغرض اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا افضل و اعلیٰ فعل ہے کیونکہ وہ حقیقی مددگار اور کارساز ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرنے میں حسن یہ ہے کہ اگر پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کا وسیلہ پیش کیا جائے گا تو پھر سب خیر ہی خیر ہے اور ہر دعا مقبول و منظور ہے۔ اور یہ نام مصطفیٰ ﷺ کا اعجاز ہے کہ سب بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بندۂ عاصی پر کھل جاتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کا اگلا مضمون ہے جس کا ترجمہ۔ ''ہم کو سیدھے راستہ پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا، اور نہ گمراہوں کا''۔

صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد اور اعمال ہیں جو سعادتِ دارین تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا، اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ صراطِ مستقیم ہے۔ اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے لوگ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾(النساء:69)

ترجمہ:۔اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء،صدیقین،شہدا اور صالحین ہیں۔

جن انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام سے نوازا،وہ اطاعتِ الٰہی اور تبلیغ حق میں یقیناً اس قدر آگے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو عنایاتِ ربانی کا مصداق ثابت کیا۔مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے پیارے بیٹے کو قربان کر کے،حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر کے،حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کا اعلیٰ مظاہرہ کر کے،حضرت زکریا علیہ السلام نے جان پیش کر کے جبکہ سب سے بہترین کردار اور اسوۂ حسنہ کا اظہار سیّد الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیا۔آپ پر کفار مکہ نے جس قدر ظلم ڈھائے اور جتنی تکالیف آپ کو پہنچائیں،وہ کسی اور نبی کو نہ پہنچائی گئیں۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے صبر کا دامن تھامے رکھا،اور اپنی قوم کی ہدایت کے لیے دعا کرتے ہوئے رحمت للعالمینی کا عملی مظاہرہ فرمایا۔اسی لیے آپ پر انعامات بھی سب سے زیادہ ہوئے۔آپ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع ہی فلاحِ دارین کا ذریعہ اور صراطِ مستقیم کا معیار ہے۔جبکہ جن لوگوں کے راستے سے منع کیا گیا ہے وہ یہود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور عیسائی ہیں جو اصل دین سے گمراہ ہو کر کفر و شرک کے گھپ اندھیروں میں کھو گئے۔

سورۂ فاتحہ کے طائرانہ مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ قرآن کا مقصود اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رضا ہے۔جس کا ذریعہ اور وسیلہ صرف اور صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے۔آپ کی ذات تک رسائی اور آپ کے قدموں پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے سے ہی دین کی آگہی حاصل ہوتی ہے اور اخروی فلاح و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔جیسا کہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی رحمت ﷺ کی سچی اور جامع محبت نصیب کرے،آپ کی اطاعت اور اتباع کی توفیق بخشے اور صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے خالقِ حقیقی کی معرفت اور رضا عطا فرمائے۔ آمین



سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ

لاکھوں درود و سلام ہوں نبی آخرالزمان، فخرِ کون و مکاں، شفیع عاصیاں سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سے منتخب فرمایا، آپ کو خیرالبشر بنایا آپ کی نبوت کو تمام بنی نوع انسان بلکہ عالمین کے لیے عام کیا۔ آپ کے سر پر ختمِ نبوت کا تاج سجایا اور آپ کی شفاعت کو مومنین کے حق میں قبول فرمایا اور آپ کو مقامِ محمود کے منصب عالی پر فائز کرنے کا وعدہ فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کائنات میں سب سے اعلیٰ و بالا مقام کے حامل ہیں بلکہ کائنات تو تخلیق ہی آپ کی خاطر کی گئی ہے۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت و رفعت کو اس طرح اجاگر فرمائے گا کہ آپ کی شان و شوکت کا اظہار ہر جانب نظر آئے گا۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ کا ایک ذخیرہ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خصوصی امتیازات کا اظہار کرتا نظر آتا ہے جو آپ کو دیگر تمام کائنات پر حاصل ہیں اور ان انعامات و اکرام کا خوب ذکر کرتا نظر آتا ہے جن سے خالق و مالک جلّ شانہٗ نے آپ کو نوازا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے چند امتیازات کا ذکر کر رہے ہیں۔ تاکہ ہماری تحریر کا حسن جاگے، ہمارا باطن مہک اٹھے اور ہماری بخشش و شفاعت کا اہتمام ہو سکے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کے نور کو تخلیق فرمایا پھر اس سے کائنات کی تخلیق کو آگے بڑھایا اور روزِ اول سے آپ کے سر پر نبوت کا تاج سجایا۔ آپ کی اس شان کو بیان کرنے کے لیے ایک مشہور حدیث بیان

کرتے ہیں۔

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے بتا دیجیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا: بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس وقت لوح و قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، زمین و آسمان، سورج، چاند جن و انس کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے بنائے پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا اور چوتھے کے چار حصے کیے''۔

(امام عبدالرزاق۔ مصنف)

☆ آپ کو نبوت سے کب سرفراز کیا گیا، اس بارے میں ایک حدیث ملاحظہ کریں: ''سیدنا میسرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آپ کو نبوت کب ملی آپ نے فرمایا، (میں اس وقت بھی نبی تھا) جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اسے اس نے سات آسمانوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو تخلیق کیا، اور اس کی پیشانی پر لکھا ''محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء''۔

(ابن تیمیہ: قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ)

☆ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے جتنے بھی نبی تشریف لائے وہ کسی قوم یا قبیلے کی طرف رشد و ہدایت کا فریضہ دینے تشریف لائے یا پھر کسی خاص علاقے یا ایک خاص وقت تک ان کی نبوت محیط تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام کائنات کے لیے اور تا قیامِ قیامت نبوت کے منصب پر فائز فرمایا۔

﴿وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ o﴾(سبأ:28)

ترجمہ:اور (اے حبیب) ہم نے آپ کو ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا ہے جو سب انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔

سیّدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے چھ وجہ سے باقی نبیوں پر فضیلت دی گئی۔ مجھے کلام کرنے کی تمام خوبیاں مجتمع کر کے دی گئیں۔رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔مالِ غنیمت میرے لیے حلال ہوا ،ساری زمین میرے لیے پاک کر دی گئی اور مسجد بنا دی گئی، مجھے سب مخلوق کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔(مسلم:ج:1)

☆ ہمارے پیارے نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔آپ کا یہ امتیازی وصف اتنا عظیم اور اعلیٰ ہے کہ مخلوق میں کسی اور کو حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ o (الانبیاء:107)

ترجمہ: اے (رسولِ محتشم ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کے آغاز میں اپنے لیے فرمایا ہے۔

”الحمد لله ربّ العٰلمین “یعنی سب تعریفیں اس کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پرودگار ہے۔ یہاں ایک خوبصورت نکتہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جن جن جہانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پروردگار ہے۔ نبی مکرم کی ذاتِ گرامی ان سب جہانوں کے واسطے رحمت ہے۔رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم ہے کہ آپ

ﷺ تمام جہانوں کے حال احوال سے واقف ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عطاء سے آپ تمام جہانوں کی مخلوقات کی مصیبت، پریشانی،غم،دکھ اور درد کا ادراک رکھتے ہیں اور ان کی دادرسی بھی کرتے ہیں۔ان کے لیے رحمت وشفقت کا باعث بنتے ہیں۔

☆ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کی نعمت سے سرفراز کیا۔ یہ معراج کا سفر دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ حرمِ کعبہ سے لے کر مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر پر مشتمل ہے۔ جسے اسراء کہا جاتا ہے۔ یہاں بیت المقدس میں آپ نے تمام انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور ان کی امامت کی۔جبکہ اگلا مرحلہ بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کی سیر، سدرۃ المنتہیٰ اور پھر قاب قوسین کے مقام پر محبّ اور محبوب کی ملاقات پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت،دوزخ اور عجائباتِ آسمانی کا مشاہدہ سر کی آنکھوں سے کرنے کا موقعہ دیا اور اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔جسمانی معراج اور سر کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی کا اعزاز صرف آپ ہی کا وصف ہے۔

☆ نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ کی عظمت وشان کا اظہار صرف اس عالمِ فانی تک محدود نہیں بلکہ روزِ حشر بھی آپ کی شانِ محبوبی کا خوب اظہار ہوگا۔اور آپ کو شفاعتِ کبریٰ کا اعزاز ملے گا۔آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔آپ کو مقامِ محمود کے منصب پر فائز کیا جائے گا اور حوضِ کوثر سے آپ اپنی امت کی پیاس بجھائیں گے اور ان کی شفاعت کر کے اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

سیدنا انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔”میں اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھاؤ، مانگو ملے گا،شفاعت کرو قبول

ہوگی۔ پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی پھر میں گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے، قتادہ کہتے تھے کہ جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔'' (صحیح بخاری)

☆ اگرچہ تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے حالات اور زمانے کے لحاظ سے معجزات سے سرفراز کیا۔ کسی کو ایک معجزہ ملا کسی کو زیادہ مگر ہمارے پیارے نبی ﷺ کا امتیاز یہ ہے کہ آپ کو کثیر تعداد میں معجزات سے نوازا گیا۔

آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ پاک ہے، جو بے مثل ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ قرآن قیامت تک آنے والے ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے کامل ضابطہ حیات ہے اخروی فلاح ونجات کا ذریعہ ہے۔ چند دیگر معجزات کا ذکر حصولِ برکت کے لیے کیا جاتا ہے۔

☆ آپ ﷺ نے انگلی کا اشارہ کر کے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔

☆ آپ ﷺ کے اشارے سے مغرب میں غروب ہوتا ہوا سورج عصر کے وقت پر پھر سے لوٹ آیا۔

☆ آپ کے دست کرم سے آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے رواں ہوئے اور ہزارہا صحابہ نے پیاس بجھائی۔

☆ جانوروں نے آپ کے قدموں پر سجدہ ریز ہو کر اپنی فریاد عرض کی۔ اور آپ نے ان کی فریاد رسی کی۔

☆ پتھروں، درختوں اور کنکروں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔

☆ آپ کو جسمانی معراج کی سعادت ملی اور اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔

☆ صحابہ کرام کے کٹے ہوئے بازو، ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور باہر آئی ہوئی آنکھ آپ کے دستِ شفاء سے پھر سے درست ہو گئی۔ بلکہ ان میں پہلے سے بڑھ کر قوت آ گئی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے مختلف علاقوں، مختلف قبائل اور مختلف زمانوں میں آتے رہے اور اپنا اپنا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ نبوت کا یہ سلسلہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ پر ختم ہو گیا۔ آپ خاتم الانبیاء ٹھہرے۔ اب قیامت تک ہر قوم، ہر علاقے اور ہر زمانے کے لیے آپ ہی نبی ہیں۔ اس امتیاز کا ذکر آپ نے حدیثِ پاک میں فرمایا ہے۔۔

سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میری اور پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت خوبصورت گھر بنایا ہو، اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو۔ لوگ اس گھر کو چل کر دیکھیں اور حیران ہو کر کہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ اور وہ اینٹ میں ہوں، میں خاتم النبیّن ہوں''۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

☆ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور تمام مومنین کو بھی حکم ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکات پر درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے رہیں۔ کتنی ارفع و اعلیٰ شان ہے ہمارے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کی کہ اللہ تعالیٰ اپنی جلالت اور کبریائی کے باوجود اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہونے کے باوجود آپ ﷺ پر درود بھیجتا

ہے یعنی وہ ہمیشہ، ہر دم اور ہر گھڑی آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرما رہا ہے۔ اور اسی طرح اس کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہمہ وقت مصروف رہنے اور اس کی بارگاہ میں اعلیٰ مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود آپ پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں۔ اور تمام مومنین کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ روزِ حشر شفاعت کے حصول کے لیے آپ پر کثرت سے درود وسلام پیش کرتے رہیں۔

ہم نے محض حصولِ برکت کے لیے ان چند امتیازات کا ذکر کیا جو آپ کو دیگر تمام مخلوقات پر حاصل ہیں اور دیگر انبیاء سے بھی آپ فضیلت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کو جاننے کا شعور عطا کرے۔ آمین



صبحِ بہاراں

میلادالنبی ﷺ: خوشیوں کا موسم

عید میلادالنبی ﷺ نام ہے خوشی، مسرت، شادمانی اور بے حساب شکرانے کے اظہار کا۔ جو اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو تاجدارِ ختم نبوت سیّد المرسلین، حبیب ربّ العالمین سیّدنا محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی صورت میں نعمتِ عظمیٰ سے مالا مال کیا۔ اس سب سے بڑی نعمت کے ملنے پر امتِ مسلمہ ہمیشہ سے محافل اور تقریبات کا اہتمام کرتی آئی ہے۔ یہ اہتمام کبھی تو دورِ حاضر کی محافلِ میلاد اور سیرت سیمینارز کی صورت میں ہوتا ہے۔ جن میں باوقار اور عقیدت سے لبریز انداز میں عاشقانِ رسول ﷺ حاضر ہوتے ہیں۔ وہ صاف ستھرے لباس زیب تن کیے، خوشبو سے اپنے وجود کو مہکائے ہوئے آتے ہیں۔ صاحبِ محفل کے گھر میں چراغاں ہوتا ہے۔ سبز پرچموں اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے گھروں کو سجایا جاتا ہے۔ محفل میں تلاوت اور حمد وثناء کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ کے حضور ہدیۂ نعت اور درود وسلام کے گجرے پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ ﷺ کی سیرت وکردار کے ذکر سے محفل کو پرنور کیا جاتا ہے۔ اور محفل کے اختتام پر صاحبِ خانہ اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احباب کی خدمت میں کھانا یا تبرک پیش کرتے ہیں۔ ان باضابطہ اور منظّم محافل کے ساتھ ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلامانِ

رسول ﷺ جب کہیں اکٹھے ہوتے ہیں تو حبیبِ رب العلیٰ کا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی سیاہ زلفوں کی بات ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے نوری مکھڑے کا ذکر ہوتا ہے، آپ ﷺ کی ولادت کی برکات بیان کی جاتی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کے تذکرے ہوتے ہیں۔ اور یوں یہ محفل تجلیاتِ ربانی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ انوارِ الٰہی کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ ہر طرف خوشبوئیں مہکتی ہیں۔ پھول کھلتے محسوس ہوتے ہیں۔ اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ اور عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دلوں کے گلشن میں جشنِ بہاراں بپا ہو جاتا ہے۔ ایک ایسی ہی محفل آرائی کا ذکر کتبِ سیرت میں ملتا ہے جب سرکارِ دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لاتے ہیں۔

سیّدنا خریم بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو میں نے عباس بن عبد المطلبؓ کو یہ کہتے سنا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ (صلی اللہ علیک وسلم) کی مدح کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی اس خواہش کو قبول کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''مدح کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کی مہر نہ توڑے۔ (یعنی آپ کے دانت سلامت رہیں)'' چنانچہ سیّدنا عباسؓ نے حضور انور ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار کہے (جن کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے):

☆ جب سیدنا آدم علیہ السلام (اور سیدہ حوّا علیہا السلام) اپنے اپنے جسموں کو (جنت میں) پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ اس وقت سے بھی بہت پہلے آپ ﷺ جنت کے سایوں اور اپنی والدہ ماجدہ کے رحم میں بھی پاکیزہ تھے۔

☆ ان کے جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد آپ بھی ان کے ہمراہ زمین پر تشریف لے آئے۔ جب کہ آپ نہ تو قبل ازیں بشری صورت میں تھے اور نہ ہی گوشت اور علق کی حالت میں۔

☆ آپ مقدس اصلاب سے پاکیزہ ارحام کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

☆ یہاں تک کہ آپ کا مبارک شرف جو آپ کے فضل پر گواہ ہے۔ قبیلہ خندف (قریش) کے نسب کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوا۔ جب کہ دوسرے تمام لوگ آپ کے اس مقام سے نیچے ہیں۔

☆ اور جب آپ (سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں) دنیا میں رونق افروز ہوئے تو آپ کی تشریف آوری سے زمین پُرنور ہوگئی۔ اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

☆ ہم آپ کی ضیاء پاشی اور نورانیت کے صدقے ہی تو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں۔ (حاکم: المستدرک، طبرانی، المعجم الکبیر)

سبحان اللہ! کس قدر خوبصورت اور پُر کیف انداز میں میلادِ پاک کا ذکر کیا سیّدنا عباس بن عبد المطلبؓ نے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے۔ اور صدقے آقا کریم ﷺ کے جنہوں نے کس قدر خوشی اور دعا دیتے ہوئے اپنے چچا جان کو اپنی مدحت ونعت کی اجازت بخشی۔ یہی مدحت ونعت اور ذکرِ ولادت تو ہے دورِ حاضر کی تمام محافلِ میلاد کی روحِ رواں۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ربیع الاول کی بارہ تاریخ کی صبح فروزاں کو پیر کے دن ہوئی۔ تاریخ کے تعین میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کو پیر کا دن ہی تھا۔ اسی لیے ہر پیر کے دن آپ

ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ روزہ بھی اظہارِ تشکر کا ایک انداز ہے۔ اور آپ ﷺ اس کا اظہار ہر ہفتے بعد ہی فرمادیا کرتے تھے۔ سیّدنا ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اسی روز میری ولادت ہوئی، اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن پاک نازل کیا گیا''۔ (صحیح مسلم)

یہاں علماء ومفسرین کے بیان کردہ ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتا چلوں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیر کا دن منتخب کیا۔ جمعہ کا دن کیوں نہیں۔ عرض یہ ہے کہ جمعہ کا دن تو پہلے ہی سے باسعادت اور برکتوں کا خزینہ ہے۔ یہ کہا جا سکتا تھا کہ جمعۃ المبارک کی وجہ سے آپ کو فضیلت ملی۔ پیر کے دن آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دنوں کو بھی فضیلت یا سعادت ملی ہے تو وہ آپ ﷺ کے وجود کی بدولت ملی ہے۔ آپ ﷺ کی نسبت اور تعلق سے عزت اور شرف نصیب ہوتا ہے۔

سیّد العالمین سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو بہاروں کا موسم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند کیا کہ اپنے حبیب ﷺ کو بہار بداماں اس دنیائے آب وگل میں بھیجا جائے۔ اس وقت خزاں اپنی بساط لپیٹ کر رخصت ہو چکی تھی۔ بہار چمن در چمن پھولوں اور سبزے کی چادر بچھا رہی تھی۔ اور اس بے رنگ و بو گلستانِ دہر میں رعنائی وزیبائی کا اہتمام ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سرسبز وشاداب کر دیا۔ خشک، بے ثمر اور سوکھے سڑے اشجار بھی پھلوں اور پھولوں سے لاد دیئے گئے۔ رزق کی اتنی فراوانی اور بہم رسانی ہوئی کہ وہ سال خوشی اور فرحت والا سال کہلایا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے خوب خوب جشنِ بہاراں کا اہتمام کیا۔

روایت ہے کہ ''جس سال نورِ محمدی ﷺ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ودیعت

ہوا، وہ فتح ونصرت، تروتازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہلِ قریش اس سے قبل معاشی بدحالی، عسرت اور قحط سالی میں مبتلا تھے۔ ولادت کی برکت سے اس سال اللہ تعالیٰ نے بے آب وگیاہ زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی۔ سوکھے درختوں کی پژمردہ شاخوں کو ہرا بھرا کر کے انہیں پھلوں سے لاد دیا۔ اہلِ قریش اس طرح ہر طرف سے خیرِ کثیر آنے سے خوشحال ہو گئے''۔ (حلبی: السیرۃ النبویہ)

جشنِ بہاراں کا اہتمام صرف درختوں اور پودوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ماؤں کی سوکھی کوکھ کو بھی ہرا بھرا کر دیا گیا اور انہیں بیٹوں جیسی دولت سے مالا مال کیا گیا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سال یہ اذن جاری کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی تکریم میں دنیا کی تمام عورتیں بیٹوں کو جنم دیں۔

ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے وقت اندھیرے مٹ گئے، تاریکیاں ختم ہو گئیں، فاصلے سمٹ گئے اور ہر طرف انوار کی جلوہ گری ہوگئی۔ سیّدہ آمنہؓ بیان کرتی ہیں۔ ''بے شک مجھ سے ایسا نور نکلا جس کی ضیاء باری سے سرزمینِ شام میں بُصریٰ کے محلات میری نظروں کے سامنے روشن ہو گئے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ اس نور سے ملک شام کے محلات اور وہاں کے بازار اس قدر واضح نظر آنے لگے کہ میں نے بُصریٰ میں چلنے والے اونٹوں کی گردنوں کو بھی دیکھ لیا''۔

(طبری تاریخ الامم والملوک)

مسلم امّہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے اس مہینے کو احیائے دین اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت کے فروغ کے طور پر منا رہی ہے۔ اس سال عید میلاد، دینی اقدار سے محبت، سنتوں سے وابستگی اور قرآن وسنت کی بالادستی کے جذبے سے منائی جا رہی ہے۔ دنیا کے 62 مسلم ممالک میں سے 61 ممالک میں اس ماہ کے دوران بھرپور تقریبات ہوتی ہیں۔ جن میں نبی اکرم خیر البشر سیّدنا

محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح آپ ﷺ کے آنے سے کفر و ظلمت کا خاتمہ ہوا اور انسانی آزادی، مساوات، رواداری اور محبت کی روشنی پھیلی۔ انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک اور جنوبی افریقہ سے لیکر کرغیزستان تک جشنِ میلاد انتہائی محبت اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ صرف ایک ہی ایسا ملک ہے جہاں 12 ربیع الاول کو سرکاری تقریبات نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ اس واحد ملک میں بھی جہاں وزارتِ مذہبی امور نے اہلِ سنت و جماعت کے اجماع کے برخلاف میلاد کو بدعتِ سَیِّئَہ قرار دے رکھا ہے، وہاں کے باشندے اپنے اپنے گھروں میں میلاد مناتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہاں کے حکمرانوں میں بھی بعض لوگ اس ماہ کے دوران میلاد کا اہتمام کرتے ہیں۔ قومی اور علاقائی زبانوں میں لکھی گئی کتبِ سیرت کے مقابلے ہوتے ہیں۔ سیرت کے حوالے سے اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ جن کا انعقاد سرکاری ادارے بلکہ مسلح افواج بھی کرتی ہیں۔ اخبارات اور جرائد خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ٹی۔وی اور ریڈیو پر ایسے پروگرام انعقاد پذیر ہوتے ہیں۔ جن میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، تعلیمات اور سیرت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں اور قیدیوں اور مریضوں میں مٹھائیاں اور پھل تقسیم کیے جاتے ہیں۔

دیگر مسلم ممالک میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر عید میلاد کی تقریبات اور کھانے کا وافر اہتمام کیا جاتا ہے۔ مساجد میں برقی قمقموں اور رنگین روشنیوں سے چراغاں کیا جاتا ہے، پرچم اور بینرز لہرائے جاتے ہیں۔ میلاد کی رات کو تلاوتِ قرآن اور نعتوں اور قصیدوں سے دلوں کو فیضیاب کیا جاتا ہے۔ میلاد کے ترانے پڑھے جاتے ہیں۔ دوردوسلام کے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔

مذہبی، سماجی، ثقافتی اور معاشرتی تنظیموں اور اداروں کی طرف سے ایسے

پروگرام تشکیل دیے جاتے ہیں جن کے مطابق اس مقدس مہینے کے دوران جشنِ بہاراں کو منانے کے لیے میلاد ریلیاں اور جلوس، سیرت کے جلسے، سیمینارز اور محافلِ میلاد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جہاں جہاں سے میلاد کے جلوس گزرنے والے ہیں، ان گلیوں بازاروں کو بہت شاندار انداز میں سجایا جاتا ہے۔ اور وہاں خوب چراغاں ہوتا ہے۔ راستوں میں ٹھنڈا پانی، میٹھے مشروبات اور جوس وغیرہ پیش کیا جاتا ہے، مٹھائیاں اور پھل تقسیم کئے جاتے ہیں۔ الغرض سال بھر میں یہ مہینہ بہت سی خوشیوں سے بھرپور اور سعادتوں اور برکتوں کے خزینے لیکر آتا ہے۔

لوگ اپنا وقت نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہوئے، اور ان کی نعتوں کے پھولوں سے اپنے گھروں کو سجاتے ہوئے گزارتے ہیں۔ جسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگیوں میں عشقِ رسول ﷺ کی روشنی اجالا کرنے لگتی ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ سب لوگ سعادتوں کے اس مہینے سے بھرپور فیضیاب ہوں اور کوئی مسلمان بھی عشقِ رسول ﷺ کی ضیاء پاشیوں سے محروم نہ رہے۔ آمین

میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے ایک نامور اسکالر شیخ محمد ہشام کباتی لکھتے ہیں:

> ایک بزرگ شیخ حضرت ابوموسیٰ زرہوینہ بیان کرتے ہیں میں نے سرورِ کونین ﷺ کو خواب میں دیکھا اور میں نے علماء وفقہا کی آراء بیان کیں جو وہ میلاد منانے کے حوالے سے کہتے ہیں۔ تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو ہم سے خوش ہوتا ہے، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں''۔

یہ بات تو عیاں ہے کہ جشنِ میلاد تقریباً ہر اسلامی ملک میں منایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے مختلف نام اور انداز ہیں لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ کہ خالقِ حقیقی کا شکر ادا کرنا کہ اس نے اپنا پیارا حبیب ﷺ عید میلاد کے دن ہماری طرف اور

ساری مخلوقات کی جانب خیر البشر بنا کر بھیجا۔ ترکی، البانیہ، یونان اور بوسنیا وغیرہ میں میلاد کو مولد کیا جاتا ہے۔ پاک و ہند میں میلاد کہتے ہیں۔ جہاں اس دن عظیم الشان تقریبات ہوتی ہیں۔ اور تقریباً سب عرب علاقوں میں اسے ذکر مولد رسول اللہ کہا جاتا ہے''۔(Sunnah.org/ne/v0204/Mwldf9h.htm)

میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے مراکش میں جشنِ میلاد کے بارے میں ایک ویب سائٹ پر یوں لکھا گیا ہے۔

1250 ھ میں Centa شہر میں عید میلاد کے دن کو سرکاری تعطیل قرار دیا گیا۔ جبکہ 1263 ھ میں مراکش میں بھی ایسا ہی قرار دیا گیا۔ 1350 ھ تک مغربی مسلم افریقہ میں جو اندلس سے لیکر تیونس تک پھیلا ہوا ہے، عید میلاد النبی ﷺ کو سرکاری تعطیل قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ مسلم علماء کی اکثریت میلاد کو جائز سمجھتی ہے تاہم وہابی اور سلفی فرقہ اسے غیر ضروری بدعت خیال کرتا ہے۔

ابن عباد آف Ronda، جو قراوین مسجد، فیض مراکش کے امام تھے نے یہ فتویٰ دیا۔

''یقیناً یہ (عید میلاد) مسلمانوں کے لیے جشن کا موقعہ ہے تاکہ وہ سرورِ کائنات سیّد المرسلین ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کر سکیں۔ اس روز ہر (عاشقِ رسول ﷺ) کو اچھے سے اچھے کپڑے پہننے چاہئیں۔ اسے چاہیے کہ اچھے کھانے کا اہتمام کرے اور نبی اکرم ﷺ سے عشق و محبت کے اظہار کے لیے اپنی سواری پر سوار ہو (اور جلوس میں شامل ہو)۔ آپ ﷺ پر

درود و سلام کی کثرت کرے آپ ﷺ کی شان بیان کرے اور دینی مدارس کے بچوں میں خیرات تقسیم کرے۔ اور ایسا کرنے اور نعتیں پڑھنے کے جواز میں کچھ مانع نہیں جب تک کہ ان میں ایسی کوئی بات نہ ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ میلاد النبی ﷺ منانے کا بہترین طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر روز سیرت کے چند اوراق کا مطالعہ کیا جائے۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے''۔

ایک اور IT اسکالر نے عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے اپنی ویب سائٹ پر لکھا ہے:

''مسلمان کسی بھی مقام پر ہوں، اس دن کو انتہائی عقیدت اور جوش سے مناتے ہیں۔ یہ دن صرف ظاہری خوشی اور مسرت کا دن ہی نہیں ہے بلکہ یہ روحانی شادمانی حاصل کرنے کا موقع بھی جانا جاتا ہے۔ پوری مسلم دنیا میں محافل اور جلسے منعقد ہوتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کی ولادت، بچپن، جوانی کے واقعات، آپ ﷺ کی تبلیغی جدوجہد کی داستان اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی فراخ دلی، بدترین دشمنوں سے درگزر کرنے، آپ ﷺ کی بے مثال قیادت و سیادت اور پوری کائنات کے لیے آپ ﷺ کے رحمت ہونے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ صرف 12 ربیع الاول ہی کے ایک دن پر منحصر کیا، پورا مہینہ ہی نبی کریم ﷺ کے ''ماہِ ولادت'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت کہیں بھی ہمیں منع نہیں کرتی کہ 12

ربیع الاول کے دن کو نبی کریم ﷺ کی ولادت یا آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ تو قابلِ تعریف عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا ذکرِ خیر کیا جائے اور ان دونوں کی محبت کی شمع مزید اجاگر کی جائے۔

اپنی ویب سائیٹ پر ایک نوجوان عادل نجم نے لکھا ہے:

''آج 12 ربیع الاول اور عید میلاد النبی ﷺ ہے۔ جس دن حضرت نبی کریم ﷺ کا یومِ ولادت منایا جاتا ہے۔ میں نیویارک ائیر پورٹ پر لاہور جانے کے لیے پی آئی اے کی فلائیٹ کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ آج پورے ملک میں خوشی کا سماں ہوگا''۔ ان تقریبات میں شمولیت کے لیے بےچین ہوں۔ رحمت للعالمین ﷺ کی ولادت باسعادت کے اس موقع پر میں رحمت کے لیے دعا گو اور خواہش مند ہوں نہ صرف پاکستان میں نبی کریم ﷺ کے چاہنے والوں کے لیے بلکہ عالمین کے تمام لوگوں کے لیے۔ میرے خیال میں آپ ﷺ کی رحمت کو صرف ان لوگوں تک محدود کر دینا مناسب نہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے بلکہ مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم آپ ﷺ کے تمام پیامِ رحمت کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ سو، آج عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقعہ پر میں حضور رحمت للعالمین ﷺ کے نام پر رحمت کا طلبگار اور دعا گو ہوں۔ جو کسی بھی مقام پر موجود ہوں۔ اللہ ان پر اور ہم سب پر امن و محبت کے انوار کی بارش کرے۔ (آمین)

(Pakistaniat.com/2011/02/Page/4)

میلاد النبی ﷺ کی بہاروں کا ذکرِ خیر پڑھنے کے بعد آیئے عید میلاد النبی

ﷺ کی پرنور ساعتوں میں اپنے دامن کو ابدی سعادتوں کے لعل و گوہر سے بھر لیں۔

اس سلسلے میں درج ذیل امور سرانجام دیئے جائیں تو یقیناً باعثِ اجروثواب ہوں گے:۔

1۔ خوشی اور مسرت کے اظہار اور شکرانہ ادا کرنے کے لیے گھروں، محلوں اور دفتروں میں محفل میلاد کا انعقاد کریں۔

2۔ پورا مہینہ درود وسلام کی کثرت کریں اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی تعریف وتوصیف کرتے رہیں۔

3۔ پیر کے دن اور یومِ میلاد کو روزہ رکھیں اور اپنے پیارے آقا ﷺ کی سنت ادا کریں۔

4۔ اچھے صاف ستھرے لباس پہن کر، باوضو ہو کر اور خوشبو لگا کر میلاد کے جلوس یا محفلِ میلاد میں شامل ہوں۔

5۔ حاجتمندوں، غریبوں اور ناداروں کے لیے کھانے کا اہتمام کریں اور مشروبات سے ان کی تواضع کریں۔

6۔ سنتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنانے اور آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنے کا عہد کریں اور آج ہی سے سنتوں پر عمل پیرا ہونے کا عملی مظاہرہ کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین



ہم عید میلاد کیسے منائیں؟

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یومِ میلاد خوشی، مسرت اور شادمانی کا دن ہے۔ اس روز بنی نوع انسان کی تقدیر بدل گئی، اُسے کفر وظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نجات ملی اور امن، محبت، اخوت، رواداری اور مساوات کی روشن قندیلوں سے روشنی کی سوغات ملی۔ یہ دن انسانی فلاح و بہبود اور اخروی نجات کی نوید لے کر آیا۔ تو پھر اس روز اظہارِ تشکر کے لیے مسرت وفرحت کا مظاہرہ کرنا ہمارا فرض ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝﴾ (یونس:58)

ترجمہ: ”فرما دیجیے (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔ (یہ خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔ یہ فضل اور رحمت نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذاتِ پرانوار کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے“۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء:107)

ترجمہ: ”اور اے رسولِ محتشم (ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر“۔

نامور مفسرِ قرآن امام خازنؒ **الفضل العظیم** کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل ہے جو اس نے اپنے رسول کو بھیج کر فرمایا“۔

اس خوشی اور شادمانی کے اظہار کے لیے بہت سے انداز اپنائے جاسکتے ہیں۔ جن کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

☆ ربیع الاول شریف کا چاند نظر آتے ہی ہر عاشقِ رسول (ﷺ) مومن کے ظاہر وباطن اور گفتار وکردار سے مسرت کا اظہار ہونا چاہیے۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دیں۔ SMS کے ذریعے عید میلاد کی آمد کے پیغامات ارسال کریں۔ صاحب استطاعت احباب اخبارات میں خیر مقدمی اشتہارات لگوائیں، میلاد کارڈ ارسال کریں اور ہر محفل یا ہر مقام پر آپ کے چہرے تمتماتے نظر آئیں۔ گویا آپ کو کائنات کی سب سے بڑی نعمت مل گئی ہے۔

☆ اس ماہِ مبارک کے دوران درود وسلام کی کثرت کریں۔ خود بھی آقا ومولا سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات پر صلوٰۃ وسلام کے نذرانے نچھاور کرتے رہیں اور اپنے اہلِ خانہ، دوست واحباب اور دفتر، فیکٹری یا بازار میں اپنے کام کی جگہ پر ساتھیوں کو درود وسلام پڑھنے کی ترغیب دیں۔ کیونکہ یہ عمل آپ ﷺ کی قربت کا سبب ہے۔ ”سیّدنا عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ ہوگا، جو مجھ پر اکثر درود بھیجتا ہے۔ (الجامع الصغیر: جلد دوم)

☆ جہاں تک ممکن ہو، محافلِ نعت کا اہتمام کریں۔ اور قریہ قریہ شہر شہر، گھر سے دفتر تک اور گلی سے بازار تک محفلِ میلاد کا انعقاد کریں۔ اس محفل کے لیے ہر وقت بہت بڑے اہتمام کی یا لوگوں کے ہجوم کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ محفل گھر کے چند

افراد پر مشتمل افراد یا اپنی دکان اور دفتر کے عملے پر مشتمل احباب کی شمولیت سے انعقاد پذیر ہو سکتی ہے۔ تلاوت کی جائے خوبصورت اور میٹھے لہجے سے نعت پڑھی جائے تو بہتر ورنہ سادہ انداز یا بغیر ترنم کے ہی اپنی پسندیدہ نعت سنائی جائے، کوئی حدیث بیان کر دی جائے اور آخر میں صلوٰۃ وسلام کے گجرے پیش کیے جائیں۔ یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے کئی بار خود محفلِ نعت کا اہتمام کیا۔ حدیث میں ہے:۔ ام المؤمنین سیّدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔ ''حضور رسولِ کریم ﷺ حضرت حسّان کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں منبر رکھواتے، وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی نعت بیان کرتے۔ یا فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا دفاع کرتے اور آپ ﷺ فرماتے، بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرماتا ہے۔ جب تک وہ رسول اللہ کی نعت بیان کرتے ہیں یا انکا دفاع کرتے ہیں''۔ (ترمذی:الجامع الصحیح)

☆ دوست واحباب، اور خاص طور پر غریب، نادار، بے سہارا افراد کے لیے کھانے پینے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام وانصرام اپنی مالی استطاعت پر منحصر ہونا چاہیے۔ مومنوں کی صفات کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ (ان کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ''۔ (الدہر:9,8)

خود غور فرمائیے کہ اگر عید میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند آئے گا اور آقا ومولیٰ ﷺ کس قدر شاد ہوں گے!

☆ عید میلاد کے اس پرمسرت موقع پر ہسپتالوں میں موجود مریضوں، جیلوں میں

بند قیدیوں، اور معاشرے میں پائے جانے والے سفید پوش مسکینوں، ناداروں، حاجتمندوں، یتیموں اور بیواؤں کو ضرور بالضرور یاد رکھیں۔ میلاد کمیٹیوں اور عشقِ رسول ﷺ کی نقیب تنظیموں کے عہدیداران پر لازم ہے کہ وہ محلوں گلیوں اور بازاروں کو سجانے کے ساتھ ساتھ ان ضرورتمندوں کے لیے بھی صدقہ وخیرات اور عطیات کا ایک حصہ وقف کریں۔ تاکہ وہ بھی ان تقریباتِ میلاد کی خوشیاں عملی طور پر محسوس کریں۔

☆ ربیع الاول شریف کے دوران ہر پیر کے دن ورنہ عید میلاد کے دن روزہ رکھا جائے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اپنا میلاد ایسے ہی مناتے تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔ نبی اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس روز میری ولادت ہوئی، اور اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز مجھ پر قرآن مجید نازل کیا گیا''۔ (صحیح مسلم)

☆ اپنے گھروں کی چھتوں پر میلاد کے سبز پرچم لہرائیں، گھروں کو رنگ برنگی جھنڈیوں اور بینروں سے سجائیں۔ مسجدوں، گلیوں اور گھروں میں برقی قمقموں اور لڑیوں سے چراغاں کریں۔ اور جہاں بھی ممکن ہو سجاوٹ کے لیے کوشش کریں۔

☆ عوام الناس کو عید میلاد النبی ﷺ کے فیوض وبرکات سے فیضیاب کرنے کے لیے رعائتی نرخوں پر اشیاء کی فراہمی یا نسبتاً کم نرخوں پر اپنی خدمات کی دستیابی کا اہتمام کریں۔ اسے کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے مثلاً فری میڈیکل کیمپ وغیرہ۔ خدمتِ خلق کا یہ فعل جشنِ میلاد منانے کا بہترین طریقہ ہے۔

☆ تحفہ دینا سنتِ مصطفی کریم ﷺ ہے اس کے اظہار کے لیے عید میلاد النبی ﷺ

بہترین موقع ہے۔اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو عید میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے جو تحفہ دیا جاسکتا ہے وہ کتاب ہے۔کوئی بھی اچھی سی کتاب جو عشقِ رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرنے کا سبب بنے تحفے کے طور پر ضرور دینی چاہیے۔

☆ عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس شوکتِ اسلام کا مظہر ہوتا ہے۔مسلم ممالک کے اندر میلاد کا جلوس نبی کریم ﷺ کی عظمت وشان اجاگر کرنے کا موجب بنتا ہے تو غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کا ذوق وشوق اپنے آقا ومولا ﷺ اور ہادی ورہبر کے ساتھ گہری وابستگی اور بے انتہا والہانہ پن کا سبب بنتا ہے۔لہٰذا ان جلوسوں میں بھرپور طریقے سے شامل ہوں اور درج ذیل امور کو پیش نظر رکھیے:

1۔عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں شامل ہونے کے لیے غسل فرمائیں۔صاف ستھرا ممکن ہو تو نیا سفید رنگ کا لباس پہنیں۔خوشبو لگا کر درود وسلام کا ورد کرتے ہوئے آئیں۔

2۔پورا وقت باوضو رہیں۔اور کلمہ شریف اور درودِ پاک کا ورد کرتے رہیں۔

اگر آپ کسی ادارے کے سربراہ ہیں، کسی تنظیم یا سوسائٹی کے عہدیدار ہیں یا معاشرے اور علاقے میں آپ کا سیاسی، سماجی، ثقافتی یا معاشرتی اثر ورسوخ ہے یا آپ کسی مسجد کے خطیب یا امام ہیں تو پھر عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کو احسن، خوبصورت اور منظّم انداز میں منانے کے لیے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اگر تو آپ کے متعلقہ ادارے یا علاقے میں یہ تقریبات ہوتی ہیں تو ان میں بھرپور حصہ لیں، نوجوانوں کو شامل ہونے کی ترغیب دیں اور جشنِ میلاد منانے والی تنظیموں کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں۔اگر ایسی تقریبات پہلے سے منعقد نہیں ہوتیں تو

ہمت، کاوش اور کوشش کر کے محافلِ میلاد، محفلِ نعت، جلوس کے لیے ٹرانسپورٹ کا اہتمام اور مصطفائی لنگر کا انتظام جیسے پروگرام شروع کرائیں۔یاد رکھیے فروغِ عشقِ رسول ﷺ کے لیے کسی بھی سرگرمی کا آغاز آپ کے لیے تا قیامت اجر وثواب کا موجب بنے گا۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔ہر قسم کی غیر شرعی حرکات سے مکمل پرہیز کریں۔اور اپنے زیر اثر احباب اور نوجوانوں میں جو شرکاء اس قسم کی حرکت کا موجب ہوں، انہیں پیار اور نرمی سے منع کریں۔مثلاً باجے بجانا، نقلی وِگ یا داڑھی لگانا، پٹاخے چلانا یا آوازے کسنا یہ سب حرکات ثواب کی بجائے باعثِ گناہ اور مسلکِ حق کی بدنامی کا سبب ہیں۔ہماری عاجزانہ اپیل ہے کہ ان سے مکمل طور پر بچا جائے۔

یاد رکھیے:

عید میلاد کے جشن میں گزرا ہوا ہر ہر لمحہ اور ساعت سرمدی خوشیوں اور فوز و فلاح کا سبب ہے اور نبی کریم ﷺ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں باادب طریقے سے اور پورے خشوع وخضوع سے تقریبات میلاد کو منانے کی توفیق عطا کرے۔آمین



شبِ اسریٰ کے دولھا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ دائم درود

نبی کریم سیّدالعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ اقدس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد قیام مکّہ کا دور مصائب وآلام اور کفار کے جوروستم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ جتنے دکھ درد آپ ﷺ کو برداشت کرنا پڑے اور آزمائشوں کے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا، تاریخ انسانی میں کسی اور مصلح ،پیغمبر یا قائد کو برداشت نہیں کرنا پڑا۔ کفار کے ظلم وستم ایک جانب اور دوسری طرف بعثت کے دسویں سال آپ ﷺ کو غم وحزن کے دو عظیم صدموں سے گزرنا پڑا۔ آپ ﷺ کے شفیق اور مہربان چچا ابوطالبؓ وصال کر گئے اور کچھ عرصہ بعد ہی آپ ﷺ کی محبوب، غمگسار اور ہر حال میں آپ ﷺ کا ساتھ دینے والی محترم ہستی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ آپ سے جدا ہوگئیں۔ غم واندوہ کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں محبوب حقیقی کے وصال اور دیدار کے انوار اس انداز میں اجاگر ہوئے کہ آپ ﷺ کا پژمردہ دل کھل اٹھا اور آپ ﷺ نئے جوش وولولہ کے ساتھ دعوتِ اسلامی کے عظیم مشن کی تکمیل کے لیے مصروفِ مساعی ہوگئے۔

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور کتبِ سیرت میں واقعہ معراج کا مفصل اور جامع ذکر موجود ہے۔ ہم حصولِ برکت کے لیے منتخب واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

☆ آپ ﷺ اپنی چچازاد بہن امّ ہانی کے گھر آرام فرما تھے کہ اللہ کے حکم سے حضرت جبریلؑ براق نامی سواری لیکر آئے۔ آپ ﷺ نے اس پر سوار ہوکر مسجد الحرام

سے لیکر مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر کیا۔ راستے میں آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبرِ انور میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام آپ کی امامت میں نماز کے لیے صف آراء ہوئے اور آپ نے انکی امامت فرمائی اور ایک مختصر سا خطبہ دیا جس کا ایک ایک حرف آپ ﷺ کی عظمت ورفعت کا پتہ دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔ اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر معبوث کیا۔ اور مجھ پر فرقان نازل کیا۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اور میری امت کو سب امتوں سے افضل بنایا، اور میری امت کو امتِ وسط بنایا۔ میری امت ہی اول وآخر ہے۔ مجھے شرحِ صدر کی نعمت سے نوازا، میرا بوجھ مجھ سے اٹھالیا، میرے ذکر کو میرے لیے بلند کیا۔ اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا‘‘۔

☆ سفرِ اسریٰ کے دوران آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی طرح مختلف اعمال کی جزا اور سزا کا عملی مظاہرہ ہوتے دکھایا گیا۔ تاکہ آپ کی امت ان سے عبرت پکڑتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتی رہے۔ مسجدِ اقصیٰ سے اسراء کا مرحلہ ختم ہوا تو معراج کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ ﷺ ایک نورانی سیڑھی کے ذریعے آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے۔ آسمانوں پر کروڑوں اربوں ملائکہ آپ ﷺ کی سلامی کے لیے حاضر تھے۔ وہ تمام آپ ﷺ کو خوش آمدید کہنے کے لیے بے تاب تھے۔ مختلف آسمانوں پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسف، حضرت ہارون، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی۔ آسمانوں پر آپ ﷺ کی عظمت وجلالت کے اظہار کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کا اعلیٰ مقام آیا جہاں حضرت جبریلؑ کی آخری منزل تھی۔ اس سے آگے ہمارے پیارے آقا ﷺ لامکاں پہنچے۔ جہاں خالقِ ارض وسماء آپ ﷺ کی دید کا

طالب تھا۔اس مقام پر محبوب ومحبّ، خالق وعبدہ میں اتنی قربت ہوئی کہ قاب قوسین یا اس سے بھی کم کہہ کر ظاہر کیا گیا۔ یہاں راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اور قرآنِ مجید کے بقول اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وہ کچھ عطا کر دیا جو انسانی عقل کے احاطے میں آ نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سورۂ بقرہ کی آخری دس آیات، ہر امتی کی بخشش کا مژدہ اور نماز کا تحفہ عطا کیا۔سفرِ معراج کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ مسجد اقصیٰ واپس تشریف لائے اور پھر مسجد الحرام میں آ گئے۔واپسی پر کفار کے تین قافلوں پر نظر پڑی جو مالِ تجارت فروخت کر کے واپس آ رہے تھے۔

☆ آپ ﷺ کے معراج پر جانے سے دنیا کا نظام جامد وساکت تھا۔وقت کی رفتار تھم گئی تھی۔آپ ﷺ کے آتے ہی نبضِ ہستی پھر سے چلنے لگی۔صبح جب آپ ﷺ نے اہلِ مکہّ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو ان کے اندر ہلچل مچ گئی۔اہلِ صدق وصفا نے فوراً تصدیقِ قلبی ولسانی کی جب کہ شقاوتِ ازلی رکھنے والے کفار نے اسے ہنسی مذاق کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی تا کہ آپ ﷺ کی تکذیب کی جا سکے۔لیکن جب آپ ﷺ نے کفار کے قافلوں کی موجودگی کا بتایا تو سب کے منہ بند ہو گئے۔الغرض واقعہ معراج نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ شان ومرتبہ کا مظہر ہے۔

؎ سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں (اقبالؒ)

حیرت ہوتی ہے کہ بعض مستشرقین اور عقل پرست لوگ واقعہ معراج کے بارے میں اور خاص طور پر آپ ﷺ کی جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔
انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس واقعہ کا ذکر کرتے

ہوئے سب سے پہلے اپنی پاکی اور عظمت کا ذکر کیا ہے تا کہ سب لوگ خبردار رہیں کہ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت وکبریائی کا مظہر ہے۔ویسے بھی جب ہم معجزہ کا لفظ بولتے ہیں تو وہ اس بات کا اظہار ہے کہ وہ کام جو عقلِ انسانی کی رسائی سے ماوراء ہو۔یعنی اگر ہم واقعہِ معراج کے بارے میں تشکیک کا اظہار کرتے ہیں تو پھر چاند کا شق ہونا، جانوروں کا کلام کرنا، پتھروں کا سلام کرنا، انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنا، سورج کا پلٹ آنا، آنکھ کی بینائی آ جانا، زخموں سے شفایاب ہو جانا سب معجزات قصے کہانیاں لگیں گے۔

جدید سائنسی تحقیق اور نئی نئی ایجادات نے تو اہلِ دانش وتحقیق کی مشکل اور آسان کر دی ہے۔آج سے سو ڈیڑھ سو سال قبل آسمانوں میں اڑنا، خلاؤں پر حکمرانی، مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنا، پلک جھپکتے میں دنیا کے کونے کونے میں ہونے والے واقعات سے باخبر رہنا اور ان کا مشاہدہ کرنا، صوت وتصویر کے ذریعے دنیا کے کونے کونے سے رابطہ رکھنا، یہ سب عقلِ انسانی میں تصور کی حد تک بھی ناممکن لگتا تھا۔لیکن آج ہم اس سے بھی آگے کا سوچ سکتے ہیں۔ایسے میں معراجِ مطفوی کا انکار جو سراسر قدرتِ ربی کا اظہار ہے، بڑی عجیب سی اور ہٹ دھرمی پر مبنی بات دکھائی دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں شان وعظمتِ رسول ﷺ کو سمجھنے اور آپ ﷺ کی محبت کو دلوں میں بسا لینے کی توفیق عطا فرمائے اور تحفہ معراج یعنی نماز کی پابندی کی ہمت وسعادت عطا فرمائے۔آمین



اُمّت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق

ربیع الاوّل کی مبارک ساعتیں ہر سال ہمیں یہ بات یاد دلاتی ہیں کہ اس ماہ میں اس نبی رحمت ﷺ کی آمد ہوئی جو سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی برھان ہیں اور اسکی ذات کی روشن دلیل ہیں۔ جو تمام کائنات کے لیے رُشد و ہدایت کا مینارہ ہیں۔ جو جملہ مخلوقات کے لیے رحمتِ اتّم ہیں جن کی آمد سے کفر و ظلمت کے گہرے بادل چھٹ گئے اور ایمان کا اجالا چارسُو پھیل گیا۔ ظلم و ستم اور بدامنی کا دور ختم ہوا اور شرق و غرب میں امن و سلامتی کی بہار آ گئی۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے باہم شیر و شکر ہو گئے، غلاموں کو آزادی ملی، عورتوں کو عزت ملی، یتیموں، بے نواؤں اور بے سہاروں کو آسرا ملا۔ بحرِ ظلمت میں بھٹکنے والوں کو کنارہ ملا۔ اُس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر اَن گنت احسانات ہیں جس پر ہم ان کے جتنے بھی شکر گزار ہوں کم ہے۔ تاہم آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کے چند حقوق ہیں، جن کی بجا آوری ہر امتی کا فرض ہے۔ جن کا ذکر ہم یہاں پر کر رہے ہیں:۔

ایمان لانے کے بعد مومن پر نبی اکرم ﷺ کا پہلا حق عشقِ رسول ﷺ ہے۔ یعنی اپنے دل میں آپ ﷺ کی محبت کائنات کی ہر چیز یعنی مال، اولاد، والدین سے بڑھ کر ہو۔ احادیثِ مبارکہ میں ہے:

☆ ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں''۔

(صحیح بخاری: کتاب الایمان)

☆ سیدنا انسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تجھ پر افسوس ہے تو نے اس دن کے لیے کیا تیاری کی ہے''۔ اس نے جواب دیا ''میں نے اس دن کے لیے کچھ تیار نہیں کیا، ہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے''۔ (صحیح بخاری)

پس پہلا حق بندۂ مومن پر اس کے آقا کریم ﷺ کا یہ ہے کہ اس ہستی سے والہانہ عشق کیا جائے اور اس کی محبت کو دنیا کی ہر چیز اور ہر نعمت سے مقدم سمجھا جائے۔

☆ امّت پر نبی برحق سیّدنا محمد مصطفٰی ﷺ کا دوسرا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مکمل اتباع اور اطاعت کی جائے۔ آپ ﷺ کے ارشادات پر مکمل عمل کیا جائے اور آپ ﷺ کی سنتوں پر ہر ممکن طور عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس بارے فرمایا ہے:۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ (اٰل عمران:132)

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (اٰل عمران:32)

ترجمہ:۔ ''تم فرمادو کہ حکم مانو، اللہ کا اور رسول کا''۔

اطاعتِ رسول ﷺ کے بارے میں احادیث میں بہت تاکید ہے:

☆ سیّدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس

نے اللہ کی نافرمانی کی"۔(صحیح بخاری)

☆ ایک اور حدیثِ پاک ہے "جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہو اور جب کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو، اس پر عمل کرو"۔

(صحیح بخاری:1082)

ثابت ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت اور کامل اتّباع مومن پر آپ ﷺ کا دوسرا حق ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کا اپنی امت پر ایک حق یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت، شان اور مقام و مرتبہ کا مکمل خیال رکھا جائے۔ آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ادب و احترام اور تقدس کے اعلیٰ ترین مراتب کو ذہن میں رکھا جائے۔ اور آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو جان سے زیادہ عزیز سمجھا جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ترجمہ: تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور رسول ﷺ کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو"۔(سورۃ الفتح)

ایک اور مقام پر بارگاہِ مصطفوی کے آداب بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی مکرم کی آواز سے اور ان کے حضور بات چیخ کر نہ کرو۔ جس طرح ایک دوسرے سے چیختے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔(الحجرات:2)

☆ ایک حدیثِ پاک میں ہے۔ حضرت ابوجحیفہؓ راوی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ شریف کے قریب ابطح کے مقام پر دیکھا وہ چمڑے کے سرخ خیمہ میں تشریف فرما تھے، پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا وضو کیا ہوا پانی ایک برتن میں لیا تو لوگ اس پانی کی طرف بھاگ پڑے۔ جسے اس پانی میں سے کچھ حصہ ملا اس نے اپنے منہ پر مل لیا اور جسے نہ مل

سکا اس نے دوسرے ساتھی کے ہاتھ سے نمی سے ہی برکت حاصل کر لی"۔(بخاری، مسلم)

☆ گویا بارگاہِ مصطفویٰ ﷺ کے آداب کا مکمل خیال رکھنا اور آپ ﷺ کی تعظیم اور توقیر بجالانا تقاضائے ایمان ہے اور امت پر آپ ﷺ کا حق ہے۔

☆ امت پر نبی کریم ﷺ کا ایک اہم ترین حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عزت، شان اور وقار کی مکمل حفاظت کی جائے، اگر اس مقدس فرض کی بجا آوری میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑے تو اسے اپنی سعادت اور خوش بختی جانا جائے۔ اور اگر کوئی فرد توہینِ رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کی سرکوبی کے لیے بھرپور جدوجہد کی جائے تاآنکہ اس کو اس کے کیے کی سزا مل سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝﴾(احزاب:57)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے، دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور شاتمانِ رسالت کے قلع قمع کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ چند احادیث کا مفہوم قارئینِ کرام کے ذوق مطالعہ کی نذر کیا جاتا ہے:

☆ مدینہ منورہ کا ایک یہودی کعب بن اشرف بہت بدتمیز، گستاخ اور بے ادب تھا۔ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتا اور آپ ﷺ کو ذہنی اذیت پہنچاتا تھا۔ ایک صحابی محمد مسلمہؓ نے باقاعدہ منصوبہ بندی سے اسے اس کے قلعہ

میں جا کر قتل کیا۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

☆ ایک اور یہودی ابورافع بھی آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ کہتا اور آپ ﷺ کو ذہنی اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیتا۔ نبی کریم نے اس لعین کو جہنم واصل کرنے کا حکم دیا۔ ایک صحابی عبداللہ بن عتیکؓ نے نہایت ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے قلعہ میں داخل ہوکر اسی کے گھر میں قتل کردیا۔ اس مشن کی تکمیل میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے دستِ رحمت سے اس طرح کردیا گویا ٹوٹی ہی نہ تھی۔(صحیح بخاری)

ان احادیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کا اپنی امت پہ یہ حق ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شان وعظمت اور ناموس کے تحفظ کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اتریں۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت پر پانچواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ برحق پر درود وسلام کے گلدستے پیش کیے جاتے رہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس شان والے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب اور محبت) سے خوب سلام عرض کیا کرو۔(سورہ الاحزاب:56)

☆ سیّدنا انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا۔ اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کیے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کیے جائیں گے۔(مشکوۃ)

☆ سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ ہوگا جو مجھ پر کثرت

سے درود بھیجتا ہے"۔(الجامع الصغیر)

لہٰذا امتی پر لازم ہے کہ شب وروز ہر لمحہ ہر ساعت اپنے پیارے آقا ﷺ کے حضور ہدیۂ درود وسلام پیش کرتا رہے۔

آلِ رسول ﷺ اہلِ بیتِ پاک سے محبت امت پر نبی کریم ﷺ کا ایک اہم حق ہے۔

☆ بہت سی احادیث میں اہلِ بیت سے والہانہ الفت کی تلقین کی گئی ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"اللہ کی محبت کے لیے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے پیشِ نظر میرے اہلِ بیت سے محبت کرو"۔(جامع ترمذی)

پس آقا کریم ﷺ کے گھرانے سے محبت بہت اہم حق ہے۔

☆ مدینہ منورہ کی روشن اور پرنور بستی کائنات میں افضل ترین ہے۔ کیونکہ یہاں پر سیّد العالمین شفیع المذنبین ﷺ آرام فرما ہیں۔ اس شہر سے محبت ایمان کا تقاضا اور امت پر نبی کریم ﷺ کا حق ہے۔

☆ حضرت ابنِ عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہو، اسے مدینہ منورہ میں ہی مرنا چاہیے جو اس میں مرے گا، میں اس کے لیے شفاعت کروں گا"۔(مسنداحمد، ترمذی)

ایک اور حدیث ہے کہ حضورا کرم ﷺ کا ارشاد ہے:

☆ "جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت ہوگی"(دارقطنی)

الغرض آپ ﷺ نے اپنی شفاعت کی ترغیب دے کر امت کو مدینہ منورہ کی حاضری اور زیارت کی ترغیب دی ہے۔ اور جس نے اس حق کی ادائیگی نہ کی، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔"جس

شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا‘‘۔ (ابنِ عدی کامل)

پس ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ کی محبت، وہاں مرنے کی آرزو کرنا، مدینہ طیبہ کی حاضری اور روضۂ انور کی زیارت ایک اہم حق ہے جو امتِ مصطفیٰ ﷺ پر واجب ہے۔

آیئے اللہ ربّ العزّت سے دعا کریں کہ وہ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم محسنِ اعظم ہادیٔ کائنات رحمۃً للعالمین نورِ مجسم سیّد عالم ﷺ کے تمام حقوق ادا کرنے کی سعادت سے نوازے جائیں۔ ہمارے قلوب کو عشقِ رسول ﷺ کے نور سے منور کرے، گفتار و کردار میں اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کو اپنانے اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر بجا لانے اور آپ ﷺ کی بارگاہ کے آداب ملحوظ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور شاتمانِ رسول کی سرکوبی کا جذبہ عطا کرے۔ ہمہ وقت بارگاہِ مصطفوی میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے رہنے کی سعادت بخشے، اہلِ بیت کی محبت دلوں میں اجاگر کرے اور مدینہ طیبہ سے والہانہ عقیدت و الفت ہمارے سینوں میں جاگزیں کرے۔ آمین بجاہِ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



شانِ قرآن بزبانِ قرآن

سب تعریفیں سب حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کی ذاتِ لاشریک کے لیے جو یکتا ہے، بے مثال ہے، بے نیاز ہے اور تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ ہر ذی روح کو رزق دینے والا اور اسے آفرینش کی پستیوں سے لے کر کمالِ عظمت و رفعت تک پالنے والا ہے۔ اُس نے لفظِ کُن کہہ کر کائنات کو وجود عطا کیا اور پھر جن و انس اور فرشتوں جیسی مخلوقات سے اسے آباد کیا۔ عظیم ہے وہ ذات کہ اس نے انسان کو زیورِ تخلیق سے آراستہ کر کے، عقل و شعور کی دولت سے سرفراز کیا اور پھر اپنی خلافت و نیابت کا تاجِ رفعت پہنا کر فرشِ زمین پر بھیجا۔ انسان کو نیکی بدی، حق و باطل اور ظلمت و نور کی پہچان کرانے کے لیے اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کر کے بھیجا۔ تمام انبیاء اور رُسل اپنے اپنے وقت میں اور اپنے اپنے علاقے میں آتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حق کی پیروی کی تبلیغ کرتے رہے۔ سب سے آخر میں آنے کا مقامِ ارفع ہمارے نبی سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ آپ ﷺ ختمِ نبوت کا تاج پہنے تمام جہانوں کے لیے رحمت کا پیام بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید نازل کی جو منبعِ رُشد و ہدایت ہے اور پیامِ فلاح و نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں کو اپنے سب سے پیارے اور سب سے عظیم رسول ﷺ کا امتی بنایا اور ہمارے لیے قرآن مجید کے انوار و تجلیات سے فیضیاب ہونے کے مواقع بہم پہنچائے تا کہ ہم اس دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں اور آخرت میں بھی نجات اور بخشش

ہمارا مقدر ہو۔

قرآنِ مجید کی عظمت و بزرگی اور اس کی فضیلت کا بیان قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ہم آج یہاں قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں قرآن کے فضائل کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں:

☆ قرآنِ مجید نہایت عظمت،شرف اور بزرگی والی کتاب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام مجید بھی ہے۔جیسا کہ ہم درودِ ابراہیمی میں پڑھتے ہیں۔''انک حمید مجید''۔گویا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات عظمت و بزرگی اور کمال و شرف سے متصف ہے اُسی طرح اس نے اپنی کتاب کو بھی عظمت و بزرگی عطا کی ہے ۔تا کہ کوئی اِسے محض حروف کی ترتیب و تہذیب ہی نہ سمجھے۔قرآنِ مجید کی دو آیات کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

﴿قٓ قف ج وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ o﴾(قٓ:1)

ترجمہ:عزّت والے قرآن کی قسم۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ o لا فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍo﴾(البروج:22-21)

ترجمہ:۔بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔لوحِ محفوظ میں۔

☆ قرآن مجید منبعِ کرم ہے ۔رحمت و شفقت کا وسیلہ ہے۔جو دوسخا کا مصدر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍo لا لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ o ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ o﴾(الواقعہ:80-78)

ترجمہ:بے شک یہ عزت والا قرآن ہے۔محفوظ نوشتہ میں۔اسے نہ چھوئیں مگر باوضو اتارا ہوا ہے سارے جہان کے ربّ کا۔

بے شک یہ قرآن شرف والا ہے۔خود بھی کرم ہے اور ایمان والوں کے لیے بھی باعثِ کرم ہے۔کیوں نہ ہو یہ تو دیکھو اسے نازل کس نے کیا ہے۔ہاں ہاں! اس ربّ نے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆ قرآن مجید ہدایت کا سرچشمہ ہے،رُشد کا مینارہ ہے۔حق و باطل کا بیّن اور واضح اشاریہ ہے۔کفر و ظلمت میں بھٹکتے انسانوں کے لیے ہدایت کا اجالا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ ہے وہ کتاب جس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔متّقین کے لیے ہدایت ہے۔(البقرہ:1 تا 3)

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

☆ ''اے محبوب: جب تم ان کے پاس کوئی آیت نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنائی۔تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے ربّ سے وحی ہوتی ہے۔یہ تمہارے ربّ کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے۔اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لیے''۔(الاعراف:203)

☆ قرآنِ کریم جہاں مسلمانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور رحمت کا خزینہ ہے۔وہیں یہ مومنین کے لیے خوش خبری کا زینہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''طٰسٓ'' یہ آیتیں ہیں قرآن اور روشن کتاب کی۔ہدایت اور خوش خبری ایمان والوں کو۔وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں''۔(النمل 1 تا 3)

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گنت معجزوں سے نوازا گیا۔پتھروں نے آپ کو سلامی دی،کنکروں نے کلمہ پڑھا،درختوں نے جھک کر ادب کیا،جانوروں نے آپ ﷺ کی گواہی دی۔آپ ﷺ نے چاند دو ٹکڑے کیا،ڈوبا سورج عصر کے وقت پر واپس لائے۔آپ ﷺ کے دستِ شفا بخش سے بیماروں کو صحت

ملی،لعابِ دہن سے ہرے زخم بھر گئے،ٹوٹے اعضاء جُڑ گئے۔انگلیوں سے چشمے پھوٹے۔الغرض ہزار ہا معجزوں کا ظہور آپ ﷺ کے دستِ حق پرست سے ہوا۔لیکن آپ ﷺ کا سب بڑا،اہم اور زندہ جاوید معجزہ قرآنِ مجید ہے۔یہ وہ برہانِ ربّی ہے جس کا ذکر خود اللہ پاک نے قرآن مجید میں ہی کر دیا:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا o فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا o﴾(النساء:175-174)

ترجمہ:اے لوگو!بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوطی سے تھامی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

گویا قرآنِ مجید اللہ کی طرف سے واضح دلیل بھی ہے اور کفر وظلمت سے نجات دلانے کے لیے نور خزینہ بھی ہے۔تو جو اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے اور یقین کے ساتھ پکڑ لے گا وہ سیدھی راہ پر گامزن ہوگا۔

☆ قرآن مجید صرف نماز اور روزے کے ذکر پر ہی مشتمل نہیں اور نہ ہی صرف عبادات کا طریقہ بتانے کے لیے ہے بلکہ یہ تو زندگی کے ہر مسئلے میں راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔معیشت ہو یا معاشرت،سیاست ہو یا تجارت،نجی زندگی ہو یا بین الاقوامی پالیسیاں۔یہ قرآنِ مجید نہایت مفصل اور واضح انداز میں اصول و ضوابط بیان فرماتا ہے۔ہر صاحبِ علم اپنی اپنی بصیرت اور شعور کے مطابق اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔''تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری اور جن کو

ہم نے کتاب دی،وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اُترا ہے۔تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں،اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں،اور وہی ہے سنتا جانتا''۔(الانعام:112-115)

☆ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی ایسی کتاب ہے جو صرف ایک دور یا ایک علاقے یا ایک نسل کے لیے نہیں آئی۔یا پھر قرآنِ مجید صرف انسانوں کے لیے ہی باعثِ رشد وہدایت نہیں بلکہ تمام جنوں کے لیے بھی اور تمام جہانوں میں موجود ہر ذی روح وجود کے لیے منبعِ ہدایت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔''اور وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہاں کے لیے''۔(القلم:52)

☆ قرآن جس طرح روح کی کثافتوں کو دور کر کے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور دلوں کے زنگ کو دور کر کے انہیں آئینہ ربانی بنا دیتا ہے۔ویسے ہی قرآنِ پاک جسم کی بیماریوں کو بھی رفع کر کے اُسے شفا بخشتا ہے۔تاہم قرآن کا اصل مقصد دلوں کی طہارت اور تزکیہ نفس ہے۔اِسے محض تعویز گنڈے اور دم کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ o﴾(یونس:57)

ترجمہ:''اے لوگو!تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی شفاء اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے''۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں صدر الا فاضل نعیم الدین مراد آبادیؒ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں قرآنِ کریم کے آنے،اور اس کے موعظت،شفاء،ہدایت اور رحمت ہونے کا بیان ہے کہ یہ کتاب

ان فوائدِ عظیمہ کی جامع ہے۔موعظت کے معنی ہیں وہ چیز جو انسان کو مرغوب کی طرف بلائے اور خطرے سے بچائے۔شفاء سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ پاک قلبی امراض دور کرتا ہے۔دل کے امراض (برے اخلاق) فاسد عقائد،اور تباہی کی طرف لے جانے والی جہالت ہے۔قرآنِ پاک ان تمام امراض کو دور کرتا ہے۔(خزائن العرفان)

☆قرآنِ مجید ایسی بے مثال کتاب ہے جس کی کسی ایک سورت یا ایک آیت کی نظیر لانا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔کیونکہ یہ اللہ پاک کا کلام ہے اور اسی کی جانب سے نبی اکرم ﷺ کے سینۂ اطہر پر نازل کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا o وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ٘ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا o﴾

(بنی اسرائیل:89-88)

ترجمہ: تم فرماؤ: اگر آدمی اور جنّ سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے۔اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال طرح طرح بیان فرمائی تو اکثر آدمیوں نے نہ مانا مگر ناشکری کرنا۔

تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن وانس کے لیے کھلا چیلنج ہے کہ وہ اکیلے یا

ایک دوسرے کے تعاون سے قرآن کی مانند کوئی کتاب یا سورہ لے آئیں۔لیکن ایسا ہرگز ہرگز ممکن نہیں کیونکہ خالقِ کائنات کا مقابلہ اس بے بس اور حقیر مخلوق کے بس میں کہاں۔اللہ تعالیٰ ہے جو ہر شے پر قادر ہے قہار وغفار ہے اور خالق و مالک ہے۔

☆ قرآنِ مجید کوئی عام کتاب نہیں اور نہ اس کی شان وعظمت کو کم جانا جائے۔اس کی جلالت وہیبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ o﴾ (الحشر:21)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا،اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

لیکن اللہ اللہ کیا عظمت و شان ہے اللہ کے حبیب ہمارے پیارے رسول سیّد الانبیاء سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآنِ مجید ان کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا o﴾ (الفرقان:1)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کے پاک دل کو وہ وسعت اور گہرائی عطا فرمائی کہ وہ قرآن مجید کی تمام حکمتوں،تمام تفصیلات اور رموز کو سمو لیتا تھا۔کیونکہ وہ دل انوارِ ربانی کا مرکز ومحور ہے۔ایسا کیوں نہ ہوتا۔کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن کی تعلیم خود ربِّ رحمٰن نے دی۔ارشادِ ربّی ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ o لا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o ط خَلَقَ الْاِنْسَانَ o لا
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o﴾ (الرحمٰن:4-1)

ترجمہ: ''رحمٰن نے اپنے محبوب کوقرآن سکھایا۔انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ماکان و مایکون کا بیان انہیں سکھایا''۔(کنزالایمان)

سبحان اللہ،سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کوعلم کی دولت جب خوداللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے عطا کی ہے تو پھراُن سے ماضی وحال یا مستقبل کی کوئی بات کیونکر پوشیدہ ہو۔

یہ چند معروضات ہیں جوقرآنِ مجید کی آیاتِ بینات کی روشنی میں پیش کی گئیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ مجید کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔اس کی تلاوت کرنے،اس کے مفاہیم کوسمجھنے،ان کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے اورتمام دنیا تک قرآن کا امن وسلامتی پرمبنی پیغام پہنچانے کی ہمت وسعادت عطا فرمائے۔آمین



قرآنِ مجید
کی فصاحت وبلاغت اورانقلابی تاثیر

قرآنِ مجید نبی کریم رؤف ورحیم سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔اپنے مطالب ومعانی اوراسلوب وانداز کے حوالے سے انسانی ذہن اور شعورکو عاجز کر دینے والی یہ کتاب آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوئی۔فصاحت وبلاغت اور مفاہیم ومضامین کے لحاظ سے قرآنِ مجید بےنظیراورعدیم المثال ہے۔اورایسا عظیم المرتبت معجزہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ کے دور سے لے کرآج تک کوئی شخص بھی اس کی مثل کوئی سورۃ یا آیت لانے سے قاصر ہے۔کیونکہ یہ قرآنِ پاک تو کلامِ الٰہی ہےاورمعجزۂ مصطفوی ہے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ ختمِ نبوت کا تاج سر پرسجائے تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے۔آپ ﷺ کی نبوت کا دائرہ کُل کائنات اور قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو معجزے عطا کیے،ان کے بارے میں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھی گئی کہ آپ ﷺ کو ایسے معجزے ملیں جن کے آگے اس وقت کے لوگوں کی عقل دنگ تھی تو بعد میں آنے والے صاحبانِ علم وشعور بھی اسی طرح قاصر ہیں۔بلکہ قیامت تک عقلِ انسانی اسی طرح عاجز رہے گی۔قرآنِ پاک بھی ایک ایسا ہی معجزہ ہے جو وقت اور جگہ کی قید سے آزاد ہے۔یہ معجزہ ایسا ہے جو ابدالآباد تک برقرار رہے گا۔

قرآنِ پاک اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک منفرد معجزہ ہے۔نبی

پاک صاحبِ لولاک ﷺ کی آمد سے قبل عرب معاشرے میں فصاحت و بلاغت پر مبنی اعلیٰ پائے کی شاعری کا دور دورہ تھا۔عرب کے باشندوں کو اپنی لسانی برتری پر اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ غیرِ عرب دنیا کے باشندوں کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ایسے معاشرے میں نبی اکرم ﷺ نے اُمّی ہونے کے باوجود ایک ایسی کتاب پیش کر دی، جس کی مثال لانا کسی ذی شعور بندے کے اختیار میں نہ تھا۔قرآنِ پاک میں پوری دنیا کے انسانوں کو کھلا چیلنج ہے:

﴿وَّاَنَّ الَّـذِیْـنَ لَا یُـؤْمِـنُـوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًاo﴾ (بنی اسرائیل:10)

ترجمہ: اگر تم سب انسان اور جنّ مل کر قرآن کی مثل لانا چاہو تو نہ لا سکو گے۔

﴿اَلَّا تَـعْـبُـدُوْٓا اِلَّا الـلّٰـهَ ؕ اِنَّـنِـیْ لَـكُـمْ مِّـنْـهُ نَـذِیْـرٌ وَّبَشِیْرٌo﴾ (ہود:2)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مثال دس سورتیں لانے کا چیلنج دیا''۔

بلکہ پھر یہ بھی کہا کہ ایسی ایک ہی سورۃ لے آؤ (یونس:4) کیسی بات ہے کہ نہ صرف اس دور کے فصیح و بلیغ افراد بھی اس کام سے عاجز رہے۔بلکہ بعد میں آنے والے بھی عاجز و قاصر ہیں۔

قرآنِ مجید جس طرح فصاحت و بلاغت میں یکتا اور بے مثال ہے۔اسی طرح قرآنِ مجید کی تلاوت میں وہ تاثیر ہے کہ روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔اور قرآنِ پاک کی تلاوت دلوں کی حالت میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔قرآنِ پاک کا محض مطالعہ کرنے یا اس کی چند آیات سننے سے ہی تقدیر کفر کی اتھاہ گہرائیوں

سے ایمان کی روشن منزلوں کی جانب لے آتی ہے۔آیئے سیرت کی کتب سے چند واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید کس طرح سے ان کے دلوں پر کتنا اثر انداز ہوا اور ان کی تقدیر کو کیسے بدل ڈالا:

☆ تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں جب کفارِ مکہ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں پر ہر طرح کا ظلم و ستم کرنے کے بعد بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں ہوئی بلکہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے لوگوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔انہوں نے اپنے ایک سردار عقبہ بن ربیعہ کو نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ آپ ﷺ کی اصل خواہش یا ارادہ کا پتہ چلا سکے۔عقبہ بہت بڑا خطیب اور گفتگو کے فن کا ماہر تھا۔اس نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنا شروع کیا کہ تبلیغِ اسلام سے آپ (ﷺ) کا اصل مقصد کیا ہے۔اگر آپ (ﷺ) مکہ کی سرداری یا چودھراہٹ چاہتے ہیں تو ہم آپ (ﷺ) کو مکہ کا حکمران ماننے کے لیے تیار ہیں۔اگر آپ (ﷺ) کو مال و زر کی تمنا ہے تو ہم آپ (ﷺ) کے قدموں میں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔اگر آپ (ﷺ) یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی شادی مکہ کے کسی اعلیٰ گھرانے میں ہو جائے تو ہم مکہ کی سب سے خوبصورت عورت آپ کے نکاح میں دے دیتے ہیں۔ہماری شرط صرف ایک ہی ہے کہ آپ اسلام کی تبلیغ سے باز آ جائیں۔حضورِ اکرم ﷺ نے عقبہ بن ربیعہ کی جادو بھری تقریر سن کر جواب میں قرآن مجید میں سے سورہ حٰمٓ کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔اِن آیات کی تلاوت سن کر عقبہ بن ربیعہ کا دل کانپنے لگا اور خوف سے جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔اس نے سردارانِ قریش کے پاس آ کر کہا۔''محمد (ﷺ) جو کلام پڑھتا

ہے وہ نہ تو جادو ہے نہ شاعری اور نہ کہانت ہے۔ بلکہ وہ کچھ اور ہی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب کے لوگوں پر غالب آ گیا تو عزت تو ہماری ہی بڑھے گی۔ بصورت دیگر سارا عرب خود ہی اُسے ختم کر دے گا''۔ مکے کے کفار نے اس کی بات کو نہ مانا بلکہ کہا کہ لگتا ہے محمد (ﷺ) نے تجھ پر بھی جادو کر دیا ہے''۔

☆ تبلیغِ اسلام کے ابتدائی ایام میں جب کفار مکہ کے ظلم حد سے بڑھ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانثار ساتھیوں کو اجازت دی کہ وہ قریب کے ملک حبشہ چلے جائیں۔ وہاں کا حکمران اصحمہ جس کا لقب نجاشی تھا، بہت نیک دل، غریب پرور اور انصاف پسند تھا۔ وہ انجیل اور تورات کا بھی حافظ تھا۔ اس نے مسلمانوں کو آرام سے رہنے کی اجازت دی۔ کفارِ مکہ کو یہ بات بھلا کب گوارا تھی۔ انہوں نے اپنے دو سرداروں عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے دربار میں بھیجا اور تحائف بھی ساتھ روانہ کیے۔ اس نے آ کر شاہ نجاشی کو ورغلانا چاہا کہ یہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں اور وہاں سے فرار ہو کر آئے ہیں۔ ان کو واپس مکہ بھیجا جائے۔ شاہ نجاشی نے مہاجرین کو طلب کیا اور ان سے اصل صورتِ حال پوچھنا چاہی۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے واضح کیا کہ ہم لوگ بدکار اور بے ایمان تھے اور کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے جو بچپن سے ہی صادق، دیانت دار اور نیک انسان ہیں، ہمیں توحید و رسالت اور پرہیزگاری کی روشن راہوں پر گامزن کر دیا ہے۔ کفارِ مکہ کو یہ بات پسند نہیں اس لیے یہ ہمیں واپس لے جانا چاہتے ہیں تا کہ ہم پھر سے کفر و شرک کی دنیا میں پلٹ جائیں۔ شاہ نجاشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا

نظریہ پوچھا تو حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیات تلاوت کیں۔ جن میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور حضرت مریم علیہا السلام نیک اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ اور انہوں نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ قرآنِ کریم کی ان آیات کی تلاوت سن کر شاہ نجاشی کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ اور اس نے مسلمان مہاجرین کو آرام و سکون کے ساتھ حبشہ کی سرزمین پر رہنے کی اجازت دے دی۔ بعد میں شاہ نجاشی مسلمان ہو گیا۔

☆ سن 6 نبوی کے ایام ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب بہت بہادر اور جرّی انسان تھے۔ وہ ابھی اسلام نہ لائے تھے۔ ایک دن غصے میں اس ارادے کے ساتھ نکلے کہ معاذ اللہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیں گے۔ راستے میں ان کے خاندان کے ایک فرد نعیم ملے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر سے ان کا ارادہ پوچھا۔ آپ کا جواب سن کر انہوں نے کہا کہ پہلے جا کر اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام کی روشنی قبول کر چکے ہیں۔ حضرت عمر مزید طیش میں آ کر اپنی بہن کے گھر آئے۔ ان کی بہن اور بہنوئی قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت عمر کو دیکھ کر ان کی بہن نے فوراً قرآنِ پاک کو چھپا لیا۔ انہوں نے زور سے بہن کے کان پر تھپڑ مارا۔ جس سے ان کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ پھر بہنوئی کو بھی مارا۔ مگر بہن کی حالت دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا۔ وہ اپنی بہن سے بولے کہ مجھے وہ چیز دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ بہن نے کہا کہ وہ پاک اور مقدس مصحف ہے۔ تم پہلے غسل کرو اور پھر اسے چھو سکو گے۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور جب قرآنِ مجید کی آیات پڑھیں تو ان کے دل کی دنیا روشن ہو گئی۔ وہ سر جھکا کر بولے مجھے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس لے

چلو۔وہ تلوار گلے میں لٹکائے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔تو کسی صحابی نے اندر نبی کریم ﷺ کو عمر کے آنے کی اطلاع دی۔حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ بھی وہیں موجود تھے۔وہ بولے کہ عمر کو آنے دو۔اگر وہ کسی برے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔سیدنا عمر نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ادب سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) مجھے اپنے دامنِ پناہ میں لے لیجیے۔ان کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کو بہت تقویت ملی اور مسلمانوں نے کھلے عام حرمِ کعبہ میں آکر نماز ادا کی۔

☆ سیدنا طفیل بن عمرو الدوسی قبیلہ دوس کے سردار تھے۔وہ مکہ مکرمہ آئے تو کفارِ مکہ نے ان کو باور کرایا کہ یہ شخص محمد (ﷺ) بڑی جادو اثر گفتگو کرتا ہے۔اس نے ہم میں سے بھائی کو بھائی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔اس کی تبلیغ سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا۔حضرت طفیل نے سردارانِ کفار کی باتوں کا بڑا اثر لیا۔اور وہ اکثر حضرت سیدنا محمد ﷺ سے کترا کر گزر جاتے تا کہ ان کے کلام کا اثر ان پر نہ ہو۔وہ حرم کعبہ کی طرف جاتے تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتے۔ایک دن انہوں نے سوچا کہ میں باشعور ہوں،دانا اور عقلمند ہوں برے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں۔کیوں حضرت محمد ﷺ کا کلام سننے سے چھپتا پھر رہا ہوں۔پھر ایسا ہوا کہ کعبہ کے صحن میں ان کی زبان سے قرآن مجید کی چند آیات سننے کا اتفاق ہو گیا۔ان آیات نے ان کے دل میں وہ اثر کیا کہ وہ دیوانہ وار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کے گھر تک چلا آیا۔حضرت طفیل نے مزید قرآنِ مجید سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔نبی اکرم ﷺ کی شہد بھری زبان سے قرآنِ مجید کی تلاوت سن کر اس کی تقدیر بدل گئی اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔وہ اپنے قبیلے میں پہنچے تو ان کے خاندان کے لوگ بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔اور بالآخر غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ان کے قبیلے کے

اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔(صحیح بخاری)

الحمدللہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآنِ مجید کی تلاوت میں کتنا اثر ہے اور کس طرح سے قرآنی آیات روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہیں۔قرآنِ مجید کی آیات روح کو پاکیزہ اور نفس کو مطمئن بناتی ہیں تو تمام جسمانی تکالیف کا بھی مداوا ہیں۔قرآن مجید کی بلند مرتبہ سورۃ الفاتحہ کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عبدالملک بن عمیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔(سنن دارمی)

ایک اور حدیث مبارکہ ہے۔''سیدنا ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے،ہم نے ایک جگہ قیام کیا۔ایک لڑکی نے آکر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے ڈس لیا ہے۔اور ہمارے لوگ حاضر نہیں ہیں۔کیا تم میں سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے۔ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ گیا،جس کو اس سے پہلے ہم دم کرنے والا نہیں سمجھتے تھے۔اس نے اس شخص پر دم کیا،جس سے وہ تندرست ہو گیا۔اور اس سردار نے اس کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا۔اور ہم کو دودھ پلایا۔جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم پہلے دم کرتے تھے؟اس نے کہا نہیں۔میں نے صرف امّ الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ہم نے کہا کہ اب اس کے متعلق کوئی بحث نہ کرو۔حتیٰ کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کے بارے میں پوچھ لیں۔جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم سے آپ ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔اس کو کیا معلوم کہ یہ دم ہے۔(ان بکریوں کو) تقسیم کر دو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔(صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنِ کریم کے فیوض و برکات اور تاثیر سے فیضیاب فرمائے۔آمین



فیضانِ دُرودوسلام

ایک اللہ والے تھے، حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے دیکھا وہاں ایک نوجوان کو جو ہر مقام پر کثرت سے درودِ پاک پڑھتا رہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے حرم شریف میں دیکھا، مطاف میں دیکھا، سعی کرتے دیکھا، منیٰ میں دیکھا، عرفات میں دیکھا الغرض ہر جگہ اس کے لبوں پر درودِ پاک جاری رہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھ لیا: اے اللہ کے بندے! حرم شریف اور مکہ معظّمہ میں ہر مقام اور ہر زیارت کی الگ الگ دعائیں ہیں یا نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ تیرے لبوں پر تو ہر وقت درودِ پاک جاری رہتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سن کر اس نے بیان کیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ خراسان سے حج کے ارادے سے نکلا۔ جب ہم کوفہ کے قریب پہنچے تو میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اس کا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ جب میں نے کچھ دیر بعد کپڑا اٹھایا تو میرا رنگ فق ہو گیا کہ میرے باپ کا چہرہ گدھے کی مانند ہو چکا تھا۔ اب میں پریشان تھا کہ کس طرح سے لوگوں کو اپنے والد کی تجہیز و تکفین کے لیے بلاؤں گا۔ میں نہایت پریشانی اور غم کی حالت میں میت کے پاس بیٹھ گیا۔

میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت نورانی صورت والے حسین وجمیل بزرگ تشریف لائے ہیں۔ وہ میرے والد کی میت کے پاس آئے اور چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ پھر انہوں نے چہرہ دوبارہ ڈھانپ دیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "تو پریشان کیوں ہے؟"۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ میں پریشان

اور غمگین کیوں نہ ہوں جبکہ میرے باپ کا حال اس طرح سے ہے۔ انہوں نے فرمایا مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر رحم فرما دیا ہے۔ اور چہرے سے کپڑا ہٹا کر مجھے دکھایا۔ میں نے دیکھا کہ میرے باپ کا چہرہ بالکل صحیح ہو چکا ہے۔ بلکہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ میں بہت خوش ہوا۔ جب وہ بزرگ جانے لگے تو میں نے ان کے دامن کو پکڑ لیا۔ اور عرض کیا، کہ آپ یہ تو بتاتے جائیں کہ آپ کون ہیں۔ آپ کا تشریف لانا ہمارے لیے باعثِ برکت ورحمت ہوا ہے اور آپ نے میری بے کسی پر ترس کھایا ہے۔ اور میری مشکل آسان فرمائی ہے۔

یہ سن کر انہوں نے فرمایا۔ ''میں ہی شفیعِ مجرماں اور گنہگاروں کا سہارا ہوں۔ میرا نام محمد مصطفیٰ (ﷺ) ہے۔ یہ سنتے ہی میرا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ میں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! یہ تو فرمایئے کہ میرے باپ کا چہرہ کیوں تبدیل ہو گیا تھا''۔ انہوں نے فرمایا: تیرا باپ سُود خور تھا۔ اور اللہ کا نظام ہے کہ سود خور کا چہرہ دنیا میں ہی یا آخرت میں تبدیل ہو گا۔ تیرے باپ کا چہرہ دنیا میں ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ مگر تیرے باپ کی یہ عادت تھی کہ رات کو سونے سے پہلے ایک سو بار (بعض کتب میں تین سو بار اور بعض میں کثرت سے) مجھ پر درودِ پاک پڑھا کرتا تھا۔ اب اس پر یہ مصیبت آئی تو اس نے مجھ سے فریاد کی تھی اور میں ہر اس شخص کی فریاد پر پہنچنے والا ہوں جو مجھ پر درودِ پاک کثرت سے پڑھے۔

(سعادۃ الدارین ص:125، نزہۃ الناظرین: ص:32، رونق المجالس ص:10، آبِ کوثر ص:178)

کثرت سے درودِ پاک کا پڑھنا جہاں دلی استقرار، قلبی سکون اور روحانی مسرت کا باعث ہے۔ وہیں یہ آخرت میں ذریعہ نجات اور باعث فلاح بھی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ درود وسلام کا پیش کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ ذات خود بھی نبی مکرم شفیعِ معظم ﷺ پر دوام صلوٰۃ بھیجتی ہے اور اس کے فرشتے بھی ہمہ وقت یہ عمل

سرانجام دے رہے ہیں۔اور نبی کریم ﷺ کے اپنی امت پر حقوق میں سے ایک اہم حق یہ بھی ہے کہ آپ پر درود وسلام بکثرت پڑھا جائے۔ چند احادیث ملاحظہ کریں:

☆ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشَرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْهُ عَشَرُ خَطِيْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَهٗ عَشَرُ دَرَجٰتٍ. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے۔

☆ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبُشْرٰى فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَآءَنِيْ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (سنن النسائی، سنن الدارمی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: ایک دن حضور سرور کائنات ﷺ تشریف لائے رخِ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔صحابہ نے عرض کیا۔یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اس نے آکر کہا کہ اے سراپا حسن وخوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل کرے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔میں نے جواب دیا کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازش پر بے حد خوش ہوں۔

☆ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلَاةَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا يُّكْفٰى هَمَّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ. (ترمذی، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں تو درود کتنا مقرر کروں۔فرمایا جتنا چاہو۔میں نے کہا چہارم فرمایا جتنا چاہو۔اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔میں نے کہا آدھا۔فرمایا جتنا چاہو۔اگر درود بڑھا دو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے کہا دو تہائی تو فرمایا جتنا چاہو۔لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا میں سارا وقت درود ہی پڑھوں گا۔فرمایا تو تمہارے گناہوں کے لئے کافی ہوگا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا۔

☆ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِاللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذَالِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَيُّهَاالْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ. (الترمذی وابوداؤد ونسائی ومشکوٰۃ)

ترجمہ: سیدنا فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ

تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے نماز پڑھی اور پھر کہا کہ الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی حمد کر اور مجھ پر درود بھیج، پھر دعا کر، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی۔ پھر اللہ کی حمد کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا تو آپ نے فرمایا: اے نمازی مانگ جو مانگتا ہے۔ تیری ہر دُعا قبول ہوگی۔

☆ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَی النَّبِیِّ فَقَالَ النبیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهُ. (الترمذی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضوان اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔ جب میں بیٹھا تو اللہ کی حمد سے ابتداء کی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مانگ لے دیا جائے گا۔ مانگ لے دیا جائے گا۔

☆ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلَّی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَمَلَائِكَتُهٗ سَبْعِیْنَ صَلَاةً.

(مشکوٰۃ، القول البدیع)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: جس نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک دفعہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر (70) بار رحمت نازل کرتے ہیں۔

☆ زَیِّنُوْا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلَاةِ عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَیَّ نُوْرٌ لَّكُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (الجامع الصغیر)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پاک پڑھ کر مزین کیا کرو، کیونکہ تمہارا مجھ پر درود پاک پڑھنا قیامت کے دن تمہارے لئے نور ہوگا۔

☆ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْراً وَّكَتَبَ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ.

(ترمذی، جلد 1، ص 64)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے۔

☆ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلَاةً. (الجامع الصغیر جلد دوم ص28)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ ہوگا جو مجھ پر اکثر درود بھیجتا ہے۔

☆ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْبَخِیْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ. (الترمذی، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کنجوس ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

☆ اَکۡثِرُوۡا مِنَ الصَّلَاۃِ عَلَیَّ فِیۡ یَوۡمِ الۡجُمُعَۃِ وَلَیۡلَۃِ الۡجُمُعَۃِ فَمَنۡ فَعَلَ ذَالِکَ کُنۡتُ لَہٗ شَہِیۡداً وَّشَافِعاً یَّوۡمَ الۡقِیَامَۃِ. (الجامع الصغیر)

ترجمہ: (اے میری امت!) مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو درود پاک کی کثرت کرو کیونکہ جو ایسا کرے گا قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور شفیع (شفاعت کرنے والا) ہوں گا۔

درودِ پاک کی فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے میں ذاتی سعادتوں میں سے ایک کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اگر اپنی زندگی کے گزرے ایام کو دیکھوں تو ہر ہر قدم اور ہر ہر سانس پر آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ عنایات اور آپ کی کرم نوازیوں کا سایہ نظر آتا ہے۔اور میری دعا ہے کہ یہ سعادتیں ہمیشہ سایہ فگن رہیں۔

چند برس پہلے کی بات ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں کے لیے لیبارٹری ہائی سکول زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں داخلہ کے لیے کوشاں تھا۔اچھا میرٹ اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے داخلہ ذرا مشکل تھا۔اور پرنسپل صاحبہ تک رسائی بھی نظر نہ آتی تھی۔ میں نے آزمودہ نسخہ آزمایا۔درودشریف کثرت سے پڑھنا شروع کیا اور نبی کریم سید العالمین ﷺ کی بارگاہ میں اپنا مقصد بھی عرض کیا۔آپ کی کرم نوازی دیکھیے کہ اگلے دن خود وائس چانسلر صاحبہ کی بیگم میری اہلیہ کے ہمراہ میرے بچوں کو داخل کروانے کے لیے بنفسِ نفیس سکول میں پرنسپل صاحبہ کے پاس گئیں۔سبحان اللہ۔صلی اللہ علیٰ النبیّ الامی وعلیٰ آلہ وسلّم تسلیما۔

ہوا یوں کہ شام کو میری ایک مریضہ کلینک پہ آئیں جو نہایت صالحہ،عبادت گزار اور نیک خاتون ہیں۔اکثر جمعرات کے روز وہ یونیورسٹی میں سے پھولوں کا گلدستہ بنا کر مجھے دے کر جایا کرتی تھیں۔ میں نے ویسے ہی ذکر کیا کہ یونیورسٹی میں

کوئی جان پہچان ہو تو میری مدد کریں۔ وہ فوراً بولیں،ڈاکٹر صاحب یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔وائس چانسلر صاحب کی بیگم میری بہت معتقد ہیں اور اکثر دعا کے لیے مجھے بلاتی رہتی ہیں۔میں آج ہی ان سے بات کرتی ہوں۔تو پھر یوں ہوا کہ اگلے دن ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ ہیں نوازشیں جو درودِ پاک کی برکت سے ہم پر ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت سے درودِ پاک اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ وعلیٰ آلہ وبارک وسلّم



مدینہ طیبہ کی فضیلت اور برکات

مدینہ منورہ کے پرنور شہر میں صحابۂ کرام انتہائی عقیدت، محبت اور چاہت کے ساتھ اپنے پیارے آقا و مولا خیر البشر سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے چہرہ اقدس کا نظارہ کرتے ہوئے اور آپ کی شیریں گفتگو سے فیضیاب ہوتے ہوئے آپ کے گرد جمع ہیں گویا چاند کے گرد ستارے ادب سے ٹمٹمارہے ہیں۔ ایسے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس طرف سے اہلِ مشرق کے نیک لوگوں کا ایک گروہ آرہا ہے۔ حضرت عمرؓ اٹھے اور اس طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ کو تیرہ سوار ملے۔ آپ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ پھر پوچھا تم لوگ کون ہو، انہوں نے کہا، ہمارا تعلق عبدالقیس کی قوم سے ہے۔ پوچھا، کیا تم تجارت کی غرض سے یہاں آئے ہو، انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا، تم یہ تلواریں بیچنے آئے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا، کیا تم اس شخص (سیدنا محمد ﷺ) کی ملاقات کے لیے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہاں

سیدنا عمران سے باتیں کرتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاس آکر حضرت عمرؓ نے کہا ''وہ ہیں، جن کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو''۔ وہ سب اپنی اپنی سواریوں سے اُتر پڑے۔ کچھ تیز چلنے لگے اور کچھ دوڑنے لگے۔ کچھ آہستہ آہستہ چلے۔ جب نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو ہر ایک نے آپ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ اور قریب ہی بیٹھ گئے۔ مگر اشج جو لوگوں سے عمر میں چھوٹے تھے وہ پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے اونٹوں کو بٹھایا، ان کو باندھا، ساتھیوں کا سامان جمع کیا، پھر بڑے باوقار انداز اور عقیدت و محبت کے ساتھ آقائے کریم ﷺ

کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ سے مصافحہ کر کے آپ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے اشج! تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ خصلتیں کونسی ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''حلم اور خودی''۔ (الطبرانی، البیہقی، البزار)

ایک اور روایت کے مطابق وفد کے باقی افراد ہتھیاروں سمیت گئے اور رسول اللہ کو سلام نیاز پیش کیا مگر اشج (منذر) نے اپنے ہتھیار اتارے، میلے کپڑے اتارے، نئے کپڑے پہنے، داڑھی پر تیل لگایا پھر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

اللہ اللہ کیا شوق ہے، وارفتگی اور چاہت ہے، صحابی زائرین کی، لیکن ان میں سے اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کو زیادہ محبوب ٹھہری ادب و احترام، حلم اور تعظیم بھری اشج کی ادا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام آپ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے، جیسے آپ کی ظاہری زندگی میں ضروری تھا۔

ہم یہاں فضائل مدینہ کا تذکرہ کرنے سے قبل چند آداب کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، جو مدینہ طیبہ کی زیارت کو جانے والے خوش بخت انسانوں کے لیے لازم ہیں۔ اور جن کو مقامی اور عارضی مقیم تمام افراد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے:

ایں بارگاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

☆ امام الزرکشیؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔ جبکہ امام نوویؒ لکھتے ہیں مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا اور اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔ بلکہ سنت طریقہ یہ ہے کہ زائر مدینہ عمدہ لباس

پہنے،سفر کے آثار زائل کرے،اگر خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگا لے۔پھر مدینہ شریف میں داخل ہو۔امام مالکؒ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے،آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: میں اس شہر میں سوار ہو کر چلنا نہیں چاہتا جس میں رسول اللہ ﷺ پیدل چلے ہیں۔اور آپ مسجد میں آواز بلند نہیں کرتے تھے۔اور فرماتے ،رسول اللہ کی حرمت وصال سے پہلے اور بعد برابر ہے۔ادب کا ایک اور قرینہ یہ ہے کہ جب بندہ مدینہ منورہ سے نکلے تو پھر اسی راستے واپس نہ داخل ہو۔کیونکہ حضور نبی کریم رؤوف ورحیم ﷺ کا معمول یہی تھا۔لیکن اگر دوسرا راستہ مشکل ہو یا ہو ہی نہ تو کوئی حرج نہیں۔نبی کریم ﷺ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ مکہ کی طرف روانہ ہوتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے اور جب واپس تشریف لاتے تو ذی الحلیفہ میں وادی کے بطن میں نماز پڑھتے اور صبح تک وہاں رہتے۔

(متفق علیہ)

☆ مدینہ منورہ کے آداب میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ دن کے وقت اس پرنور شہر میں داخل ہوا جائے۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی سفر، حج،عمرہ یا غزوہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تھے تو رات کے وقت داخل نہ ہوتے۔بلکہ رات حدودِ مدینہ سے باہر بسر کرتے اور صبح چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے تھے۔حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ کے قصہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس نہ آتے مگر دن میں چاشت کے وقت۔شہرِ مدینہ میں داخل ہو کر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے،دو رکعت نفل ادا فرماتے اور پھر گھر میں داخل ہوتے۔(صحیح بخاری)

☆ الغرض جس قدر ممکن ہو عقیدت،محبت،شوق اور ادب واحترام کو پیش نظر رکھتے

ہوئے مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین میں داخل ہونا اور وہاں عاجزی،انکساری اور وارفتگی سے قیام کرنا اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔آخر ایسا کیوں نہ روا رکھا جائے،کہ یہ مقدس زمین سیّد العالمین خاتم النبین ﷺ کا مسکن ہے،وہاں وہ مقدس حجرہ ہے جسے بجا طور پر کعبے کا کعبہ کہا جا سکتا ہے اور جو عرش سے عظیم تر ہے۔آیئے کچھ ذکر مدینہ منورہ کی فضیلتوں اور عظمتوں کا بھی ہو جائے۔

☆ مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ خود حبیبِ رب العالمین ﷺ نے اس پُرنور شہر کے لیے دعا کی اور یہ شہر سب کا محبوب ہو گیا۔

☆ ''سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار ہو گیا۔فرماتی ہیں کہ میں ان دونوں کے پاس آئی۔پوچھا ابا جان کیا حال ہے۔اے بلال تمہارا کیا حال ہے۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔جب حضرت سیدنا ابوبکرؓ کو بخار ہوتا تو آپ یہ شعر پڑھتے۔''ہر آدمی اپنے اہل وعیال میں خوشی سے صبح کرتا ہے حالانکہ موت جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے''۔اور جب حضرت بلالؓ کا بخار اترتا تو آپ بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے۔ترجمہ:اے کاش کہ میں رات گزارتا وادی میں اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہوتی اور کیا میں کبھی مجنہ کے گھاٹوں میں داخل ہوں گا۔کبھی مجھ پر شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے۔پھر فرمایا:اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ،عتبہ بن ربیعہ،امیہ بن خلف پر لعنت فرما جیسے انہوں نے ہمیں اپنی زمین سے اس وبائی زمین کی طرف نکال دیا۔سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئی،ان کی کیفیت بتائی تو آپ نے یہ دعا مانگی۔''اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے جیسے مکہ ہمیں محبوب ہے۔بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کو ہمارے لیے صحیح کر دے۔اور ہمارے لیے اس کے صاع

اور مد میں برکت دے اور اس کا بخار دور فرما اور یہ بخار جحفہ میں ڈال دے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

☆ اہلِ مدینہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں رزق کی فراوانی اور اہلِ مدینہ کو زمین کے پھلوں سے رزق ملنے کی دعا فرمائی ہے۔اس دعا کی قبولیت کا اندازہ تو ہر زائر مدینہ کو حاضری پر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں کے بازاروں اور مارکیٹوں میں ایسے ایسے پھل موجود ہیں کہ جن کا نام بھی نہیں سنا ہوتا ہے۔

حدیث ملاحظہ کریں:

☆ سیدنا جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف دیکھا اور یہ دعا کی۔اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما۔ پھر شام کی جانب توجہ کی اور یہ دعا کی۔اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما عراق کی طرف دیکھا یہی دعا کی، پھر افق کی طرف دیکھا یہی دعا کی۔ پھر یہ دعا فرمائی۔''اے اللہ ہمیں زمین کے پھلوں سے رزق عطا فرما۔اور ہمارے لیے ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔ (صحیح بخاری)

خیر و برکت کے حصول اور دلوں میں مدینہ منورہ کی محبت اور شوق مزید اجاگر کرنے کی خاطر یہاں چند منتخب احادیث پیشِ خدمت ہیں:

- عبداللہ بن زید المازنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور مکے والوں کے لیے دُعا مانگی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں اور میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد کے لیے حضرت ابراہیم کی دُعا سے دوگنا ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ (بخاری۔مسلم)
- مدینہ طیبہ یہاں سے لے کر وہاں تک حرم ہے۔ اس کے درخت نہ کاٹے

جائیں۔اس میں کسی جرم کا ارتکاب نہ کیا جائے، جو یہاں جرم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔اس حدیث کو حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کیا۔(صحیح بخاری و مسلم)

- سیدنا سہل بن خفیفؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا''یہ حرم ہے اور امن کا گہوارہ ہے۔''(مسلم)
- حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا پھر السقیا کے گھروں کے قریب پتھریلے ٹیلے پر سعد کی زمین پر نماز پڑھی پھر یہ دعا مانگی:

''اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم تیرے خلیل، تیرے برگزیدہ بندے اور تیرے نبی ہیں۔ تجھ سے انھوں نے مکہ کے لیے دعا مانگی اور میں محمد تیرا (برگزیدہ) بندہ، تیرا نبی اور تیرا رسول ہوں میں تجھ سے اہل مدینہ کے لیے اسی طرح کی دعا مانگتا ہوں جس طرح کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگی تھی۔ہم تیری بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں کہ تو اہل مدینہ کی صاع، مد اور ان کے پھلوں میں برکت فرما۔ ہمارے لیے مدینہ کو اسی طرح محبوب بنا دے جس طرح مکہ کو ہمارے لیے محبوب بنایا تھا اور اس میں جو وبا ہے اُسے خم کے چشمے میں پھینک دے۔اے اللہ میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں، جس طرح تو نے مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حرم بنایا تھا۔'' (امام احمد)

- سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو شہروں کو کھا جائے گا۔لوگ اِسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔یہ بُرے لوگوں کو دُور کرے گا جیسے بھٹی لوہے کے

زنگ کو دور کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

- ابوحمید الساعدیؓ سے روایت ہے ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ نکلے جب ہم وادی القریٰ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مجھے بہت جلدی ہے جو چاہے وہ میرے ساتھ چلے اور جو ٹھہرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے۔ جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا ''یہ طابہ ہے یہ اُحد پہاڑ ہے، یہ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔''
- سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''مدینہ اسلام کا قبہ ہے، ایمان کا گھر، ہجرت کی سرزمین اور حلال و حرام اُترنے کی جگہ ہے۔'' (طبرانی)
- ام المومنین سیّدہ حفصہ بنتِ عمرؓ اور اسلم مولیٰ عمر سے روایت ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے ''اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر میں موت عطا فرما۔
- سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایمان مدینہ طیبہ میں اس طرح اکٹھا ہو کر داخل ہوگا جس طرح سانپ کسی مشکل وقت میں اکٹھا ہو کر اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔'' (بخاری۔مسلم)
- سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اسلام شروع میں اجنبی تھا اور عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا جس طرح شروع میں تھا۔ مبارک ہو اُس دِن اجنبیوں کے لیے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم (محمد) کی جان ہے۔ ایمان مدینے میں اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اکٹھا ہو کر بل میں داخل ہوتا ہے۔

(مسند سعد۔ کتاب الایمان)

- سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا فرمائی ''اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے جس طرح مکہ ہمیں محبوب ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اسے ہمارے لیے صحیح کر دے۔ ہمارے لیے اس کی صاع اور مد (ناپ تول کے پیمانوں) میں برکت ڈال دے۔ یہاں کا بخار دُور کر دے اور یہ بخار جحفہ میں ڈال دے۔ (صحیح بخاری۔صحیح مسلم)
- سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سفر سے واپس لوٹتے تو آپ کی نظر مدینہ طیبہ کے در و دیوار پر پڑتی۔ آپ اپنی سواری کو تیز کر دیتے اور اُسے مزید تیز چلنے کے لیے حرکت دیتے یہ سب کچھ مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے تھا۔ (صحیح بخاری)
- سیدنا جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میری مسجد میں نماز دوسرے مقامات سے ایک ہزار درجے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے۔ میری مسجد کا رمضان دوسری مساجد کی نسبت ہزار رمضانوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔'' (بیہقی)
- سیدنا ابن عمر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اُسے مدینہ منورہ میں ہی مرنا چاہیے۔ جو اس میں مرے گا میں اس کے لیے شفاعت کروں گا۔''

(احمد۔ترمذی۔بیہقی)

- سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جو بندہ میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح ادا کرے گا کہ اس کی کوئی نماز فوت نہ ہو، تو اس کے لیے دوزخ اور نفاق سے آزادی لکھ دی جاتی ہے۔'' (احمد،طبرانی)
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس نے میری قبر کی

زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت ہوگی۔'' (دار قطنی۔ بیہقی)

- جس شخص نے میرے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد میری زیارت کی اس طرح ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بیہقی)
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔'' (ابنِ عدی کامل)
- عبداللہ بن زید مازنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' (متفق علیہ)
- یاد رہے، مدینہ منورہ کی سرزمین محبت، امن، سلامتی، راحت اور پیار سے آراستہ سرزمین ہے۔ یہاں پر کسی قسم کی بے ادبی، شر انگیزی، فساد یا بے سکونی کی کیفیت پیدا کرنا اپنے ایمان کے ضیاع اور اعمال کی بربادی کا موجب ہے۔ مدینہ منورہ کے باشندوں اور زائرین کی عزتِ نفس، اور عزت واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھنا تو اشد ضروری ہے ہی لیکن یہاں کے پودوں، درختوں، گھاس اور جانوروں کا خیال رکھنا بھی نہایت اہم ہے۔ یہاں تک کہ موذی جانوروں کو بھی مارنے سے پہلے ان کو ڈرا دھمکا کر بھگانا چاہیے۔ بلکہ محدثین کرام کا کہنا ہے کہ مدینہ منورہ میں جنّ رہتے ہیں جو زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اور جن سانپوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ کے سانپوں کا قتل کرنا بھی ممنوع ہے۔ انہیں تین دن تک خبردار کیا جائے اگر وہ پھر بھی گھر نہ چھوڑیں تو انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ جنّ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہوگا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:
- ''سیدنا ابوالسائب بیان کرتے ہیں کہ میں ابوسعید الخدریؓ کے پاس گیا وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نماز مکمل کر لی۔ میں نے چارپائی کے نیچے حرکت کی آواز سنی تو دیکھا وہ سانپ تھا۔ میں اسے مارنے کے لیے اٹھا تو ابوسعید نے مجھے بیٹھ جانے

کا اشارہ کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک مکان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس گھر کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں، انہوں نے فرمایا یہاں ایک نوجوان رہتا تھا، اس کی نئی شادی ہوئی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے کے لیے نکلا۔ ہم خندق کھود رہے تھے کہ وہ نوجوان آپ سے اجازت طلب کرنے آیا۔ عرض کی: یارسول اللہ مجھے اجازت فرمایئے میں گھر والی سے بات کر آؤں۔ آپ نے اجازت فرمائی اور ساتھ ارشاد فرمایا کہ اپنے ہتھیار لے کر جاؤ۔ مجھے خدشہ ہے کہ بنو قریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں۔ وہ نوجوان گھر گیا تو اس نے اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑا دیکھا، اس کو غیرت کی وجہ سے نیزہ مارنے لگا۔ بیوی نے کہا، جلدی نہ کرو پہلے اپنے گھر کی کیفیت دیکھ لو۔ وہ اندر گیا تو زمین پر لیٹا ہوا سانپ دیکھا۔ اسے اس نے نیزہ مارا اور پھر اسے باہر لے آیا۔ اور نیزہ کو گھر میں نصب کر دیا۔ سانپ نیزے کے اوپر تڑپنے لگا اور جوان بھی مردہ ہو کر گر پڑا۔ معلوم نہ ہوا کہ سانپ پہلے مرا یا نوجوان۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مدینہ کے جنّ مسلمان ہو چکے ہیں۔ جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو تین دن تک خبردار کرو۔ اگر وہ پھر ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کر دو۔ (صحیح مسلم۔ مسند امام مالک)

اے زائرِ کوئے جاناں آہستہ چل
دیکھ آیا ہے کہاں ! آہستہ چل

اللہ تعالیٰ ہمیں شہرِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنے اور اس دیارِ نور کی باادب حاضری کی سعادت دوام عطا فرمائے۔

آمین



ماہِ رمضان: نیکیوں کا موسمِ بہار

ایک دن مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے اندر صحابہؓ کرام کی محفل سجی تھی۔ستاروں کے حسین جھرمٹ میں ماہِ عرب سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے تا کہ صحابہؓ کرام کو کچھ وعظ و نصیحت فرمائیں۔''سیدنا جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھنے لگے۔جب آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا آمین! پھر آپ ﷺ نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا اور فرمایا آمین! پھر آپ ﷺ نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا اور فرمایا آمین۔صحابہ کرام نے عرض کیا۔یارسول اللہ (صلے اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ کا تین مرتبہ آمین فرمانا سنا ہے۔فرمایا! جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل میرے پاس آئے اور بولے بدبخت ہو وہ شخص جس نے رمضان کو پایا، پھر رمضان گزر گیا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔میں نے کہا آمین۔پھر انہوں نے کہا، بدبخت ہو وہ شخص جس نے ماں باپ دونوں یا ایک کو پایا اور پھر انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا۔میں نے کہا۔آمین پھر وہ کہنے لگے بدبخت ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ پڑھے۔میں نے کہا آمین''۔(صحیح بخاری: الادب المفرد)

نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث اس بات کی مظہر ہے کہ ماہِ رمضان بخشش کا مہینہ ہے، مغفرت کا ذریعہ ہے۔رحمتوں کی بہار ہے، نیکیوں کی برسات ہے۔ہم خوش قسمت ہو سکتے ہیں اگر ماہِ صیام کے فیوض و برکات سے مکمل استفادہ کریں۔

ماہِ رمضان تقویٰ کا پیغام دیتا ہے۔شیطان کا عمل دخل ختم کر کے انسان کو

بدی کے حصار سے نکل کر نیکی کی دنیا میں داخل ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔حدیثِ مبارکہ میں ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:''جب ماہِ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں''۔(صحیح بخاری کتاب الصوم)

زندگی کے معمولات میں تقویٰ اختیار کرنے کا مقصد کیا ہے یہی نا کہ اپنے خالقِ حقیقی ربِّ ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جائے۔اور جب وہ خود فرمادے کہ ایک عمل ایسا بھی ہے جس کا اجر میں خود ہوں تو پھر اور کیا چاہیے اور یہ عمل ہے روزہ۔حدیثِ پاک میں آتا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ابنِ آدم کا عمل کئی گنا ہو جاتا ہے۔ہر نیک عمل کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہوتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے روزہ کے کیونکہ یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔روزہ دار اپنی خواہشات اور کھانے کو میری خاطر چھوڑ دیتا ہے۔روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک فرحت اس کے افطار کے وقت ہے اور ایک فرحت اس کے اپنے ربّ سے ملنے کے وقت ہے اور بے شک روزہ دار کے منہ کی بُو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی مہک سے زیادہ طیب، زیادہ پاک ہے''۔(صحیح مسلم۔کتاب الصوم)

روزہ دار جب اپنی نفسانی خواہشات سے آزاد ہو کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روزہ رکھتا ہے تو وہ اتنا بلند قسمت ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن فرشتے اسے ڈھونڈتے پھریں گے کہ کہاں ہے روزہ دار! جنت کا ایک خصوصی دروازہ روزہ داروں کے لیے مختص ہوگا۔

حدیثِ مبارکہ کا مفہوم ہے۔حضرت سہلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا''بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے

الریان کہتے ہیں۔قیامت کے دن اس سے روزہ دار داخل ہوں گے ان کے سوا اس سے کوئی داخل نہ ہوگا۔کہا جائے گا۔روزہ دار کہاں ہیں ۔پس وہ کھڑے ہو جائیں گے۔اس سے ان کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔کہ اس میں کوئی داخل نہ ہو'۔(صحیح بخاری: کتاب الصوم)

روزہ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک تربیت گاہ جس سے گزر کر مومن بے حیائی اور بدتہذیبی سے پاک صاف ہو کر معاشرے کا مہذب اور حیا دار شہری بننے کی تربیت پاتا ہے۔اگر اس کی زندگی میں معاشرتی انقلاب نہیں آتا تو پھر وہ سمجھ لے کہ اس کا روزہ بیکار گیا۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔''روزہ ایک ڈھال ہے، نہ اس میں بے حیائی چاہیے اور نہ اکھڑ پن۔اگر کوئی آدمی روزہ دار سے لڑے یا اسے گالی دے تو اسے چاہیے کہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں'۔(صحیح بخاری: کتاب الصوم)

روزہ ایک ایسا فرض ہے کہ جسے دین اسلام کا ایک اہم ستون کہا جاتا ہے۔اور اس کی فرضیت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔اللہ تعالیٰ نے روزہ کے حوالے سے مفصل اور جامع احکامات سورہ البقرہ کی آیات 183 تا 185 میں بیان کر دیئے ہیں۔ربّ ذوالجلال فرماتا ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے ان پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ، چند گنتی کے دن، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔اور جن کو طاقت نہیں، وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ کریں۔اور جو رضا کارانہ بھلائی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔اور اگر روزہ رکھ لو تو تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور اس میں ہدایت کی نشانیاں ہیں

اور فرقان یعنی حق وباطل کا امتیاز ہے۔پس تم میں سے جو بھی اس کو پالے تو وہ ضرور اس کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا یہ اس لیے کہ تم مدت پوری کر لو۔اور اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو جیسے تم کو ہدایت دی گئی تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔(البقرہ:185-183)

ان آیاتِ قرآنی سے جو نکات آشکار ہوتے ہیں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ روزہ فرضِ عین ہے مگر ان پر جو ایمان کی دولت اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔گویا روزہ ایمان والوں کے لیے مغفرت وبخشش کا ایک وسیلہ ہے۔

☆ روزہ ایک ایسا فرض اور ایسی عبادت ہے جو ہمیشہ سے امتوں پر فرض رہا۔یہ ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ مسلمان اسے ایک بوجھ یا اپنے لیے نئی مصیبت نہ جانیں۔اور ایسا شبہ بھی دل میں نہ لائیں۔

☆ روزہ کا مقصد ومدعا یہ ہے کہ مومن تقویٰ اختیار کرے، نیکی کی منزل کی جانب گامزن ہو اور فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو۔یہ نفس کی اصلاح، باطن کی پاکیزگی، مادی اور دنیاوی آلائشوں سے پرہیز اور روحانی اقدار کو زندگی میں نافذ کر لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ایک حدیث پاک میں ہے۔''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس (روزہ دار) نے بری بات یا جھوٹ والی بات نہ چھوڑی تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کے چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں'۔(صحیح البخاری: کتاب الصوم)

☆ روزہ صرف مخصوص اور محدود مدت کے لیے فرض ہے۔تاکہ ایمان والے اس کو ذوق وشوق سے رکھیں اور اس کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

☆ اللہ تعالیٰ جبر اور زیادتی نہیں چاہتے بلکہ مومنین کے لیے آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔اس لیے اگر انسان کبھی مریض ہو یا مسافر ہوتو اسے رعایت دی گئی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ صرف رمضان کا مہینہ ہی وہ شرف والا مہینہ ہے جس میں روزہ فرض کیا گیا ہے۔گویا دیگر دنوں میں خواہ پورا سال ہی روزے رکھے جائیں، وہ ماہِ رمضان کے روزوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔

☆ رورے فرض کر کے اللہ تعالیٰ نے آسانی اور سہولت کا خیال رکھا ہے۔اس لیے اسے بوجھ نہ بنالینا۔اللہ تعالیٰ چاہتا تو وصال کے روزے یعنی بغیر کچھ کھائے پیے کئی کئی روز تک کے روزے فرض کر دیتا۔یا مریضوں اور مسافروں کو بھی حکم دیا جاتا کہ وہ ہر حال میں روزے رکھیں یا پھر دن رات کی قید کے بغیر عورتوں سے مباشرت مطلقاً منع ہوتی۔لیکن اللہ پاک نے ایسا نہیں کیا۔کیونکہ وہ رحیم وکریم ہے۔

☆ روزہ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی کبریائی کا زبانی اور عملی اظہار بھی کرتے رہو۔اس کے فضل وکرم اور رمضان میں اس کی نعمتوں کے کھانے پینے سے لطف اندوز ہوتے رہو۔اور اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔نیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہمیشہ رہنے کا احساس پیش نظر رکھو۔

☆ ایک اور اہم فضیلت ماہِ رمضان کی یہ ہے کہ اس میں قرآنِ پاک کا نزول ہوا۔یہ کتاب وہ ہے جو تمام انسانیت کے لیے منبعِ رشد وہدایت ہے۔اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے لیے ذریعہ نجات ہے۔

الغرض رمضان المبارک کا مہینہ ہمیں تقویٰ کا پیغام دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کر کے اس سے جزا لینے کا حقدار بناتا اور ہماری زندگیوں میں معاشرتی وروحانی انقلاب لاتا ہے۔



لیلۃ القدر

رحمت، مغفرت اور عنایاتِ ربانی کی رات

رمضان المبارک کا پُرنور اور بابرکت ماہِ مبارک اپنے دامن میں ان گنت رحمتیں، بخششیں اور انوار وتجلیات سمیٹے ہوئے ہے۔اس کا ایک ایک لمحہ انوار وتجلیات ربانی سے روشن ہے۔اس کی راتیں اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کی فراوانی کا پیغام دیتی ہیں اور گنہگاروں کو بخشش کی دولت سے مالا مال کرتی ہیں۔رمضان کا حسین تحفہ روزہ تقویٰ کا پیغام دیتا ہے اور روزہ دار کو قربِ الٰہی کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔اس ماہ کے دوران اللہ کی راہ میں خرچ کی جانے والا ایک ایک پیسہ برزخ اور حشر کے میدان میں زادِراہ بن جاتا ہے۔الغرض اس ماہِ مقدس میں اخلاص اور ایمان کے ساتھ کی جانے والی ایک ایک نیکی کئی گنا اجر وثواب کی حامل ہوتی ہے۔تاہم مومنوں کے لیے ایک بہت بڑی نعمت لیلۃ القدر کی صورت میں موجود ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے۔یہ پرنور رات کس قدر انوار وتجلیات کی حامل ہے اور اس کی اہمیت وفضیلت کس قدر زیادہ ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل سورۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا، مہربان ہے۔

”بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو قدر کی رات نازل کیا۔آپ نے کیا سمجھا کہ قدر کی رات کیا ہے۔قدر کی رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ہر کام میں سلامتی ہے، فجر طلوع

ہونے تک''۔(سورۃ القدر)

اس سورۃ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام نے بہت سے نکات بیان کیے ہیں جومختصراً بیان کیے جارہے ہیں:

☆ اس رات قرآنِ مجید کا نزول ہوا۔اگر چہ قرآنِ مجید کا صراحتاً ذکر نہیں تاہم تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ انزلناہ کا ضمیر مفعول کا مرجع قرآنِ پاک ہی ہے۔

☆ یہ قرآن پاک کسی انسان یا کسی گروہ کا کلام یا تصنیف نہیں بلکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اوراس کو نازل کرنے والا بھی وہی ہے۔

☆ اس قدر ومنزلت والی کتاب کو سب سے زیادہ قدر ومنزلت والے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پراور قدر ومنزلت والی رات میں اتارا گیا۔

☆ مفسرین ایک اور مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب قرآنِ مجید اس رات کو اتاری گئی جو تقدیر ساز ہے۔جس رات نہ صرف عرب کے باسیوں کی قسمت بدلی بلکہ تمام انسانیت کی تقدیر کو فروزاں کرنے کا سامان مہیا ہوا۔انسان کو اپنی ذات کا شعور ملا اور اپنے خالق و مالک کا عرفان نصیب ہوا۔

☆ اس سورۃ کی شانِ نزول کے حوالے سے مفسرین کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ میری امت کے افراد اپنی مختصر عمر کی وجہ سے اتنے زیادہ اعمالِ صالحہ نہ کرسکیں گے جتنے پہلی امتوں کے لوگ کرتے تھے۔کیونکہ ان کی عمریں بہت طویل ہوا کرتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی خوشی کے لیے ایسی رات عطا کی جو ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔اورصرف اس رات میں اعمالِ صالحہ کا ثواب اتنا ملتا ہے جتنا کہ

ایک ہزار مہینوں میں ممکن ہوسکتا ہے۔(تفسیرِ مظہری)

☆ الحمدللہ لیلۃ القدر کس قدر فضیلت اور سعادتوں والی رات ہے، اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگایا جا سکتا ہے۔سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشادفرمایا۔لیلۃ القدر کو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ زمین پر آتے ہیں۔اور ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا۔ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔سبحان اللہ کس قدر سعادت مند اور خوش قسمت ہے وہ بندہ جس سے مصافحہ کرنے کے لیے فرشتوں کے سردار سیدنا جبرئیل علیہ السلام عرش سے زمین پر نزول کرتے ہیں۔ہاں ہاں وہی جبرئیل علیہ السلام جو انبیاء پر وحی لیکر نازل ہوتے رہے ہیں۔

☆ مفسرین کرام نے اس سورہ میں الروح سے مراد سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو لیا ہے۔تاہم کچھ علماء کا خیال ہے کہ الروح فرشتوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو اتنا لطیف ہے کہ دیگر فرشتوں کو بھی نظر نہیں آتا۔بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ الروح سے مراد رحمت ہے۔یعنی فرشتوں کی وہ جماعت جو جبرئیل علیہ السلام کی قیادت میں زمین پر نازل ہوتی ہے اوراپنے ساتھ رحمت خداوندی کے خزانے لاتی ہے۔تاکہ انہیں ذکرِ الٰہی میں مشغول بندوں میں تقسیم کر سکے۔

☆ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔''آسمان سے اس رات فرشتے اترتے ہیں اور علیین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تاکہ باکمال انسانوں کے ساتھ ملاقات کریں اوران کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور

اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جذبہ ان کے سینوں میں جوش مار رہا ہے اس کی لذت سے بہرہ ور ہوں''۔ (بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہؒ)

☆ باذنه سے اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں واضح کر رہے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام یا فرشتوں کی جماعت یا پاک روحیں خود سے نہیں بلکہ اپنے ربّ کے حکم سے زمین پر نازل ہوتی ہیں تا کہ ان بندگانِ خدا کو رحمتوں اور عنایات کی نوید سنائیں، ان سے مصافحہ کریں اور ان کے دامنِ مراد کو انوارِ ربانی سے بھر دیں جو اس رات عباداتِ الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی امت کو کس قدر عالی مقام عطا فرمایا ہے۔ سبحان اللہ!

☆ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مکمل یکسوئی کے ساتھ عبادت اور مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ یہ سب امت کی تعلیم کے لیے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ان سے پہلے ہی راضی تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں: ''حضو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ تہہ بند کو مضبوط کر لیتے (یعنی مکمل تیار ہو جاتے) اپنی رات کو زندہ رکھتے یعنی رات جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے''۔ (بخاری شریف)

☆ سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا، ایمان اور جزاء کے یقین کے ساتھ، اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔ (بخاری شریف)

☆ احادیث میں آتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھا کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ امہات المؤمنینؓ نے بھی نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس سنت کو زندہ رکھا۔

☆ رہا یہ سوال کہ لیلۃ القدر کونسی رات ہے۔ تو نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ جس کا مفہوم ہے۔ ''حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔ (بخاری شریف)

☆ سیدنا ابو المنذرؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کیسے جانتے ہیں کہ یہ رات ستائیسویں ہے تو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یعنی یہ وہ رات ہے جس کی صبح کا سورج طلوع ہوتا ہے مگر اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ پس ہم نے اس کو شمار کیا ہے اور یاد رکھا ہے۔ اللہ کی قسم حضرت ابنِ مسعودؓ جانتے تھے کہ یہ رات رمضان المبارک میں ہے اور ستائیسویں رات ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بتانے کو ناپسند کرتے تھے کہ تم بھروسہ کر بیٹھو گے۔ (الترمذی: ابواب الصوم)

لیلۃ القدر کی ساعتیں نصیب ہوں تو بندۂ مومن کو چاہیے کہ یہ دعا مانگے جو احادیث میں روایت کی گئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.

یعنی اے اللہ تعالیٰ! تو بہت معاف فرمانے والا ہے، تو معاف کرنے کو بہت پسند کرتا ہے میرے گناہوں کو بھی معاف کر دے۔

ہم بندگانِ خدا اور غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو چاہیے کہ پوری یکسوئی، توجہ، ذوق وشوق اور سرگرمی سے اس رات کو پانے کی کوشش کریں۔ رمضان المبارک کی آخری راتوں کو قیام اللیل کریں، نوافل ادا کریں، تلاوتِ قرآن مجید کریں، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، درود وسلام کی کثرت کریں اور اپنے دامن کو چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی بے حساب رحمتوں کی بارش ہمارے گلشن کو

سیراب کردے اور گناہوں سے آلودہ ہمارے دامن کو دھوڈالے۔ ہمیں امن، سکون، رحمت اور سلامتی کی دولت میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہمارے لیے دعا گو ہو اور ہمارے ساتھ مصافحہ کر کے قلب وروح کو اطمینان اور سکون کی ٹھنڈک اور راحت پہنچائیں اور ہمارے نامۂ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں کہ جو ہزاروں مہینوں کی عبادت پر محیط ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل ہمیں لیلۃ القدر کی سعادتوں اور برکتوں سے مستفیض فرمائے۔ (آمین)



فلسفۂ قربانی

(رضائے الٰہی کی جستجو اور جذبۂ تسلیم و رضا کی انتہا کا درس)

عیدالاضحیٰ کا عظیم دن ہر سال یاد دلاتا ہے اس عظیم قربانی کی جو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لاڈلے اور پیارے کمسن جگر گوشے کو منٰی کے میدان میں ذبح کر دینے کا قصد کر کے دی تھی۔ اس قربانی کے پیچھے ارادہ اور نیت تھی تو صرف یہ کہ اپنے مالک و خالق کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی سب سے پیاری چیز کو اسی کی رضا کی خاطر قربان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے اپنے لختِ جگر کو قربان کر دینے کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ قرآنِ مجید میں اسکا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں اس کا ذکر یوں کرتا ہے:۔

> ترجمہ: ''پس جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس (باپ) نے اس (یعنی بیٹے) کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم! بلاشبہ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم اسی طرح نیک اعمال کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

(الصّٰفّٰت:103 تا 105)

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

> ترجمہ: ''اور ہم نے ان کا فدیہ ایک عظیم قربانی سے ادا کر دیا۔ اور ہم نے اس کو آنے والوں پر چھوڑا۔ سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ ہم اسی طرح حسن عمل والوں کو بدلہ دیتے

ہیں۔بے شک وہ (ابراہیم) ہمارے مومن بندوں میں سے تھے‘‘۔(الصّفٰت:107 تا111)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سرزمین انبیاء شام وفلسطین میں مبعوث ہوئے۔ اس وقت وہاں ایک جابر وظالم بادشاہ نمرود ابنِ کنعان کی فرمانروائی تھی۔ ہر طرف کفر وشرک کا دور دورہ تھا۔بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔خود بادشاہ نے خدا ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گمراہ اور کفر وشرک کے اندھیرے میں ڈوبے ماحول میں توحید کا علم بلند کیا۔اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تلقین کی اور انہیں ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر انوارِ الٰہی سے اپنے قلب و باطن کو روشن کرنے کی ترغیب دی۔انہوں نے صرف زبانی ہی توحید کی تبلیغ اور بت پرستی چھوڑنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ عملی طور پر بت شکن ہونے کا ثبوت دیا۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عزیز واقارب یہاں تک کہ ان کے چچا آذر بھی شرک میں مبتلا تھے۔عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے ایک دن شہر کے لوگ ایک میلے میں شرکت کے لیے شہر سے باہر گئے ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیماری کا کہہ کر جانے سے انکار کر دیا۔بعد میں آپ نے تمام بتوں کو توڑ کر زمیں بوس کر دیا۔اور کفار کے لیے یہ درس دیا کہ جو بت اپنی حفاظت نہیں کر سکے وہ تمہارے لیے کیا کریں گے۔قرآن مجید نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

ترجمہ:جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا۔تم کیا پوجتے ہو؟ کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور خدا چاہتے ہو۔تو تمہارا کیا گمان ہے ربّ العالمین پر؟ پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔تو وہ اس پر پیٹھ دے کر پھر گئے۔پھر ان کے خداؤں کی طرف چھپ کر چلا تو کہا کیا تم نہیں

کھاتے۔تمہیں کیا ہوا کہ نہیں بولتے۔تو لوگوں کی نظر بچا کر انہیں اپنے ہاتھ سے مارنے لگا۔تو کافر اس کی طرف جلدی کرتے آئے فرمایا کیا اپنے ہاتھوں کے تراشوں کو پوجتے ہو۔اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔بولے اس کیلیے ایک عمارت چنو، پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو‘‘۔

(الصّفٰت:85تا98)

نمرود نے اپنے بتوں کو نیست و نابود کرنے کی پاداش میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔اس مقصد کے لیے ایک خصوصی چبوترہ نما عمارت بنائی گئی اور بہت سا ایندھن جمع کر کے آگ دہکائی گئی پھر اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا لیکن خالقِ کائنات کی قدرت کہ وہ آگ گل وگلزار بن گئی۔قرآنِ مجید نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

ترجمہ:’’(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔تُف ہے تم پر اور ان بتوں پر جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟۔وہ بولے:اس کو جلا دو اپنے (تباہ حال) معبودوں کی مدد کرو۔اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔ہم نے فرمایا:اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ بری چال کا ارادہ کیا تھا ہم نے انہیں بری طرح ناکام کر دیا۔

(الانبیاء:66تا70)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت برگزیدہ بندے اور اولوالعزم

پیغمبر تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا دوست بنایا۔اس منزل کے حصول کے لیے ان کو جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور جن امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، وہ بھی نہایت سخت اور کڑے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکے تھے لیکن ان کے ہاں اولاد جیسی نعمت نہ تھی، جوان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی۔آپ نے اپنے ربّ سے دعا کی کہ اے میرے خالق! مجھے نیک اور صالح بیٹا عطا فرما۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو پورا کرتے ہوئے نیک ، بردبار، اور حلیم الطبع بیٹا عطا فرمایا۔یہ حسین وجمیل اور ہونہار بیٹا کیا ملا، گویا آپ کے گلشن ہستی میں بہار آگئی۔آپ کے آنگن میں خوشیاں رقص کرنے لگیں اور آپ کی نظروں کو ٹھنڈک اور دل کو قرار کی دولت ملی۔مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام سے ایک اور امتحان مقصود تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سیدہ ہاجرہ اور نورِ نظر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو لے کر اپنے وطنِ شام سے نکلے اور فاران کی بیاباں وادی میں چھوڑ کر چل دیئے۔حکمِ ربی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی یہ عظیم مثال ہے۔وہ نونہال جو گھر کی رونق ہے اور جس کے لیے بوڑھے باپ نے گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں، آج اسی سے جدا ہو کر جانا پڑ رہا ہے۔اور لختِ جگر کو ایسی وادی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں، جہاں کوئی ذی روح ہے نہ کھانے پینے کے لیے کوئی وسائل نظر آتے ہیں یہاں تک کہ پیاس بجھانے کے لیے پانی کی نعمت بھی میسر نہیں۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں تسلیم ورضا کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔وہ عرض کرتے ہیں:

ترجمہ:۔"اے ہمارے ربّ! یقیناً میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں ٹھہرا دیا ہے جو کھیتی باڑی والی نہیں۔تیرے حرمت والے گھر کے قریب ہے۔اے میرے رب! اس لیے کہ یہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر

دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا کر، تاکہ یہ تیرا شکر ادا کریں"۔(ابراہیم:37)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو چلے گئے، اب اللہ کے گھر کے قریب بے آب وگیاہ وادی ہے، اور سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اپنی گود میں بچہ کو لیے ہوئے ہیں۔وادی ایسی ہے کہ ہر طرف نوکیلے پتھر ہیں۔گرم تیز لُو ہے جو جسم کو جھلسا رہی ہے، سورج اتنا قریب محسوس ہوتا ہے کہ گویا بدن کو جلا کر راکھ کر دے گا۔پانی کی بوند بھی کہیں نظر نہیں آتی ۔سائے کے لیے کوئی سبز درخت ہے نہ کوئی پودا۔ایسے میں سیدہ ہاجرہ کا لختِ جگر پیاس سے رونے لگتا ہے۔سیدہ ہاجرہ سے ننھے اسماعیل کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔مامتا بے چین ہوتی ہے۔وہ قریب کی ایک پہاڑی صفا پر چڑھتی ہیں کہ کہیں قریب و نزدیک میں زندگی کے آثار نظر آئیں، پانی کی جھلک دکھائی دے یا کوئی جاندار نظر آئے۔صفا سے دوسری پہاڑی مروہ کی جانب آتی ہیں۔کہ شاید اُدھر زندگی کی علامات پائی جائیں۔گہرائی میں آتی ہیں تو تیز بھاگتی ہیں کہ ننھا اسماعیل آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔اسی انداز میں سات چکر لگاتی ہیں۔ایسے میں رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے۔سیدنا اسماعیل علیہ السلام جہاں لیٹے ہیں، وہاں پاؤں کی ایڑی لگتی ہے، نیچے زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔پانی کیا نکلا گویا زندگی کی کلیاں چٹک اٹھیں سیدہ ہاجرہ خوشگوار حیرت سے اس چشمۂ آب کو دیکھتی ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی خوشبو چہار اطراف پھیلتی ہے۔پرندے آتے ہیں، خانہ بدوش بدو آ کر آباد ہوتے ہیں۔سبزہ سر نکالتا ہے۔اور یوں زندگی مسکرانے لگتی ہے۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام مدت کے بعد آتے ہیں تو ہنستی کھیلتی بارونق زندگی ان کی منتظر ہے۔وہ اپنے لختِ جگر کو لڑکپن کی عمر میں دیکھتے ہیں تو بہت مسرور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ادا کرتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ابھی

اختتام پذیر نہیں ہوا۔ابھی منزلِ عشق کے اس عظیم راہرو کو اور کڑے مرحلے سے گزرنا باقی ہے جو انتہائی سخت بھی ہے اور منفرد بھی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین دن تک خواب میں یہ دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو قربان کر رہے ہیں۔نبی کا خواب بھی سچا ہوتا ہے۔جان گئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کی راہ میں اپنی سب سے پیاری چیز کو قربان کر دوں۔سمجھ گئے کہ یہ اشارہ ہے کہ اسماعیل کی گردن پر چھری چلا کر حکمِ الٰہی کی تعمیل کی جائے۔

اسماعیل سے ذکر کیا۔

ترجمہ:۔’’پس جب وہ ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچا تو کہا۔اے میرے بیٹے میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔تو دیکھ تیرا کیا خیال ہے؟‘‘(الصفت:!102)

بیٹے کی فرمانبرداری اور تسلیم و رضا کی خُو دیکھیے۔سیدنا اسماعیل عرض کرتے ہیں:

ترجمہ:۔’’اے میرے ابا جان! وہ کر گزریئے جس کا حکم دیا گیا۔ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے‘‘۔(الصّفت:102)

اب فلک حیراں ہے زمیں مبہوت ہے کہ یہ کیسا نظارہ ہے! بوڑھا باپ اپنے خالق و مالک کی رضا کے لیے اپنے نونہال اسماعیل کو فاران کی وادی میں زمین پر لٹائے ہوئے ہے اور گردن پر چھری رکھ کر اُسے ذبح کرنے کا ارادہ کئے ہوئے۔آگے کیا ہوا۔قرآنِ مجید بیان کرتا ہے:

ترجمہ:۔’’پھر جب دونوں (رضائے الٰہی کے سامنے) جھک گئے اور ابراہیم نے اُسے پیشانی کے بل لٹا دیا۔اور ہم نے اُسے

ندا دی کہ اے ابراہیم! واقعی تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔بے شک ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔(سو تمہیں مقامِ خلت سے نواز دیا گیا ہے) بے شک یہ بہت بڑی کھلی آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اس کا فدیہ کر دیا۔اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کا ذکرِ خیر برقرار رکھا۔سلام ہو ابراہیم پر۔ہم اسی طرح محسنوں کو صِلہ دیا کرتے ہیں۔(الصّفت:103تا111)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اپنے لختِ جگر اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے ارادہ سے لے جا رہے تھے تو نوعِ بشر کے ازلی دشمن شیطان نے ان تینوں افراد کو ورغلانے کی کوشش کی۔سیدہ ہاجرہ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل نے منیٰ کے میدان میں کنکر اٹھا اٹھا کر شیطان کو مارے اور اسے مار بھگایا۔کہ جب مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور قربان جو چیز کرنی ہے وہ سب اسی کی عطا ہے تو پھر پس و پیش کس لیے، اور شیطانی وسوسہ یا اولاد کی محبت کا غلبہ کیونکر ہو۔اللہ تعالیٰ کو شیطان لعین کو کنکریاں مارنے والی ادا اس قدر پسند آئی کہ اسے ہمیشہ کے لیے حج کا اہم حصہ قرار دے دیا۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ احد و صمد کے قربان جائیں کہ اسے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ کی ساری ادائیں اس قدر بھائیں کہ ان کو قیامت تک قائم و دائم رکھنے کا اعلان کر دیا۔حج اگرچہ اسلام سے قبل بھی رائج تھا لیکن اب حج کے ارکان میں طواف، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، منیٰ میں ایام حج میں تین دن کا قیام اور وہاں قربانی کرنا، جمرات میں شیطان کی رمی شامل ہیں۔ان کی ادائیگی کے بغیر حج کامل نہیں ہوسکتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی سعادتیں عطا فرمائیں۔جن کا مختصر تذکرہ یوں ہے:

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے معصوم بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں کو یہ سعادت ملی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی پھر سے تعمیر نو کریں۔

☆ ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دونوں دعا کر رہے تھے) کہ اے ہمارے ربّ! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما لے۔ بیشک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔(البقرہ:127)

☆ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے امت مسلمہ کو پیدا کیا جو تمام امتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔اس امت کے لیے آپ نے یوں دعا کی تھی:

☆ ترجمہ: ''اے ہمارے ربّ! ہم دونوں کو اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت کو خاص اپنا تابعِ فرمان بنا''۔(البقرہ128)

☆ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور امام الانبیاء نبی کو مبعوث کیا۔جس کے لیے دعایوں کی گئی:

☆ ترجمہ: ''اے ہمارے ربّ! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔(البقرہ:129)

☆ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ دعائے خلیل کا ثمر ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش کے عین مطابق مکہ مکرمہ کو حرمت والا شہر بنا دیا اور اس میں رزق کی اسقدر فراوانی کر دی کہ اب یہ شہر لاکھوں لوگوں کے لیے جائے پناہ ہے اور لاکھوں لوگوں کی مہمان نوازی کرتا

ہے۔اور یہاں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں آتی۔

☆ ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرمت والا گھر بنا دیا کہ لوگوں کے لیے بقا کا سبب ہے''۔(المائدہ:97)

☆ مکہ مکرمہ کو منبعِ انوار و تجلیات بناتے ہوئے یہاں حج کے رکن کا اعلان فرما دیا گیا اور حج کی ندا کی ذمہ داری اور سعادت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حصے میں آئی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ترجمہ:۔''اور (اے ابراہیم علیہ السلام) آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں پیدل اور ہر دُبلے اونٹ پر، وہ چلے آئیں ہر دور دراز گہری راہوں سے''۔(الحج:27)

الغرض سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی فضیلتیں اور سعادتیں عطا فرمائیں۔اسلام ان کے دینِ حنیف کا ہی تسلسل ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ہم ان کی سنت پر عمل پیرا ہوں۔اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے سرِ تسلیم خم کریں اور اس کی راہ میں اپنی پیاری سے پیاری چیز بھی نثار کرنے کے لیے سر بکف رہیں۔رضائے الٰہی کے حصول میں مال، اولاد اور دنیا کی محبت کو رکاوٹ نہ بننے دیں اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حنیف پر کاربند رکھے اور سچا اور پکا مسلمان بنائے۔آمین



نماز کے طبّی فوائد

(میڈیکل سائنس کی روشنی میں)

نماز کی ادائیگی کے دوران نمازی کو بہت سے روحانی اور طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ قابلِ قدر اور مفید فوائد وضو سے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ اور تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ الغرض ہر حالت اور کیفیت میں نفع پہنچاتے ہیں۔ رمضان کے ماہ مبارک میں خاص طور پر تراویح کی ادائیگی سے یہ فوائد کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

نماز کی ادائیگی کے دوران جسم کے تمام پٹھے (Muscles) حرکت میں آتے ہیں۔ یہ حرکت نرمی اور تناؤ دونوں طرح سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے پٹھوں کی گلوکوز کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ گلوکوز ہی ہے جو جسم کے لیے پٹرول کا کام دیتا ہے اور پٹھوں کے ہر قسم کے عمل کے لیے ضروری توانائی بہم پہنچاتا ہے۔ گلوکوز کے ساتھ ساتھ پٹھوں کو آکسیجن اور دیگر غذائی اجزاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں خون کے ذریعے پٹھوں تک پہنچتی ہیں۔ نماز کے دوران جسم کے پٹھوں کی بڑھتی ہوئی غذائی ضروریات اور گلوکوز پہنچانے کے لیے دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ دل کے پٹھے زیادہ قوت اور تیزی سے کام کرتے ہیں۔ جس سے خود ان پٹھوں میں مضبوطی آتی ہے اور یہ مزید توانا ہو جاتے ہیں۔

رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کا الگ سے فائدہ ہے۔ جو جسم کے نظامِ انہضام اور Metabolism کے لیے نہایت مفید ہے۔ افطار کے وقت تک جسم میں

گلوکوز کا لیول انتہائی کم سطح پر آ چکا ہوتا ہے۔ جس سے جسم میں نقاہت اور کمزوری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہم جوں ہی افطاری کرتے ہیں، بلکہ خوب پیٹ بھر کر کرتے ہیں۔ نتیجتاً معدہ بھاری ہو جاتا ہے۔ خون کا دورہ زیادہ تر پیٹ کی جانب ہو جاتا ہے تاکہ خوراک میں سے ضروری اجزاء چن چن کر لے لی جائیں اور ان کو جسم کے مختلف اجزاء تک بقدر ضرورت پہنچا دیا جائے۔ ایک دو گھنٹے کے اندر اندر خون کے اندر گلوکوز کا لیول اپنی بلند ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ لیول خون کے ساتھ ساتھ باقی اعضا تک بھی پہنچتا ہے۔ جسم میں موجود انسولین اپنے طور پر زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہے تا کہ فالتو گلوکوز کو کھپایا جا سکے۔ اب جب بندۂ مومن نمازِ تراویح میں مشغول ہو جاتا ہے تو گلوکوز کی زیادہ مقدار پٹھوں کی حرکت میں استعمال ہو جاتی ہے جس سے یہ لیول نارمل سطح پر آ جاتا ہے۔ پس نماز خاص طور پر تراویح جسم کی فالتو کلوریز کو استعمال کرنے میں مدد دیتی ہے۔ اور اس سے پٹھوں کی لچک، باہمی ربط، اور تناؤ میں ایک توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جسم میں موجود Anxiety اور ڈپریشن کم ہو جاتا ہے۔

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے سے جسم کے پٹھوں پر وہی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں جو 3 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تیز تیز چلنے یا عام انداز میں سیر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پرانے طلباء جو 1950-1916 کے عرصے میں زیر تعلیم رہے تھے، تحقیق کرنے سے پتہ چلا ہے کہ تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کی جانے والی معمولی سی ورزش مثلاً جاگنگ ان کو صحت مند رکھنے اور ان کی عمر میں کئی سال کے اضافہ کا سبب بنی ہے۔ وہ لوگ جو دو ہزار کلوریز ہفتہ وار خرچ کرتے ہیں۔ ان میں فوتیدگی کی شرح ایک تہائی کم ہے، ان طلباء کی نسبت جو بالکل ہی ورزش نہیں کرتے۔ کلوریز کی ہی مقدار آدھا گھنٹہ روزانہ کی ہلکی ورزش مثلاً تیز چلنا، دوڑنا، سائیکلنگ یا تیراکی سے خرچ کی جا سکتی ہے۔ مزے کی

بات یہ ہے کہ اتنی ہی مقدار پانچ وقت کی نماز میں بھی خرچ ہوتی ہے۔ نسبتاً زیادہ عمر کے افراد نماز کے ذریعے مزید یہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کہ وہ زندگی کے دوسرے کاموں میں بآسانی حصہ لے سکتے ہیں۔ مثلاً بچے کو اٹھانا، بھاگ کر گاڑی کو پکڑنا، سیڑھیوں پر چڑھنا۔ نمازی حضرات اس جیسے زور والے کام ان لوگوں کی نسبت اچھی طرح اور سہولت سے کر لیتے ہیں، جو نماز نہیں پڑھتے۔ کیونکہ نماز سے پٹھے لچکدار، ہڈیاں مضبوط اور حرکت تیز ہوتی ہے۔ لہٰذا نماز عمر رسیدہ خواتین و حضرات کیلئے نہایت مفید ہے کہ ان کی صحت زیادہ دیر تک برقرار رہتی ہے اور وہ زیادہ چست و توانا ہوتے ہیں۔

عمر رسیدہ خواتین اور مردوں میں ہڈیاں بہت کمزور ہو جاتی ہیں۔ مردوں کی نسبت خواتین میں ہڈیاں پتلی ہونے یا بھربھری ہونے اور پھر ان کے ٹوٹ جانے کی شرح نسبتاً زیادہ ہے۔ ان میں ایک وجہ Ostrogen کی کمی ہے جو ماہواری کے بند ہو جانے کے بعد مقدار میں کم ہو جاتے ہیں۔ ہڈیوں کو مضبوط کرنے کیلئے کیلشیم اور وٹامن ڈی کی مقدار کا خوراک میں بڑھانا، ہلکی پھلکی ورزش روزانہ کرنا اور Ostrogen کا دوا کے طور پر لینا شامل ہے۔ نماز ایک ایسی ورزش ہے جو ہڈیوں میں کیلشیم کی مقدار بڑھانے، پٹھوں اور جوڑوں کو متحرک رکھنے، ہڈیوں کے فریکچر سے بچنے کا سبب بنتی ہے۔

Adrenalin اور Noradrenalin دو ایسے کیمیائی مادے ہیں جو جسم میں بنتے ہیں اور یہ دل، خون کی شریانوں وغیرہ کے نرم پٹھوں کی حرکت کو تیز کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ اعصابی تاروں (Nerve) کے سرے پر خارج ہوتے ہیں جو نرم پٹھوں (Smooth Muscles) کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ایڈرینالین کا کام دل کی دھڑکن اور کام کی رفتار کو تیز کرنا، خون کی شریانوں کو سکیڑنا، آنکھوں کی پتلیوں کو کھلا کرنا، جسم کے میٹابولزم (Metabolism) کو تیز کرتا اور یوں جسم کو ناگہانی صورتِ

حال کیلئے تیار کرتا ہے۔ یہ ایڈرینالین معمولی سی ورزش اور حرکت سے بھی خارج ہو کر اپنا کام دکھانے لگتی ہے۔ ہلکی سی ورزش مثلاً پانچ وقت کی نماز بھی اس سارے عمل کو متحرک رکھنے کیلئے کافی ہے۔ اس طرح نمازی بندہ ہر ناگہانی عمل کے لیے تیار رہتا ہے۔

نماز سانس کے نظام پر بھی مثبت اثرات ڈالتی ہے۔ پھیپھڑوں کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں کے گرد خون کی باریک شریانیں زیادہ متحرک ہو جاتی ہیں۔ ان میں خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جس سے تازہ آکسیجن خون میں شامل ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جو مضرِ صحت ہے۔ وہ پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے۔ یوں جسم کے سبھی اعضاء خاص طور پر پٹھوں کے لیے نہایت سودمند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمازی حضرات میں سانس کی تکلیفیں یا سانس پھولنا کم ہوتا ہے اور ان کا Stamina بھی زیادہ ہوتا ہے۔

جسم کے جوڑوں کے درمیان ایک کیمیکل (Synovial Fluid) پایا جاتا ہے۔ اس کیمیائی مادے کا کام جوڑوں کے درمیان حرکت کو بے ضرر رکھنا اور ان کو رگڑ سے یا گھسنے سے بچانا ہوتا ہے۔ پنج وقتہ نماز کی ادائیگی سے یہ مواد جسم کے تقریباً سبھی جوڑوں میں متحرک ہوتا ہے۔ جس سے ان میں رگڑ کے مضر اثرات کم ہو جاتے ہیں۔ نیز ہڈیاں بلاضرورت نوکدار نہیں ہوتیں اور وہ جام نہیں ہوتیں۔ جس سے جوڑوں کے منجمند ہونے کا خدشہ کم سے کم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا، نماز جسم کی فالتو کلوریز کو استعمال کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ جو جسم کے وزن کو کم کرنے اور سمارٹ رہنے کا آسان نسخہ ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ اگر کھانے میں احتیاط کی جائے، بھوک کو کنٹرول کیا جائے، خاص طور پر رمضان المبارک میں افطاری میں مرغّن غذاؤں اور چکنائی سے فرائی کی گئی اشیاء

سے پرہیز کیا جائے تو پھر سونے پر سہاگا ہے۔ کھانا تو ویسے بھی بھوک رکھ کر کھانا چاہیے اور صرف اتنا ہی کھایا جائے جتنا کہ کمر کو سیدھا رکھنے یعنی زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کو بھی نماز سے اچھا خاصا فائدہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ دیگر احتیاطی تدابیر بھی کریں۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو دیگر ورزشوں کی طرح جسم کے دورانِ خون کے نظام اور میٹابولزم پر اچھے اثرات ڈالتی ہے۔ نماز سے دل کے دورے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ HDL یا مفید کولیسٹرول کی مقدار بڑھتی ہے۔ آکسیجن کا استعمال زیادہ ہو جاتا ہے۔ دل احسن انداز میں کام کرتا ہے۔ بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے اور دل کے تازہ خون بہم پہنچانے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

نماز دیگر بدنی ورزشوں کی طرح بندے کے رویّے، خیالات اور موڈ پر خوشگوار اثرات ڈالتی ہے۔ نمازی کی زندگی صاف ستھری اور معیارِ زندگی بہتر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسبتاً بہتر اور متحرک انسان سمجھتا ہے کہ مینہ آندھی، سردی گرمی ہر حالت اور ہر موسم میں اللہ کے آگے سربسجود ہوتا ہے۔ رکوع اور سجدہ کی حالت میں خون کی مقدار جو دماغ کو جاتی ہے، بہت بڑھ جاتی ہے، جس سے دماغی قوت اور استطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نماز سے بندے پر جو نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ الگ ہیں۔ نمازی غم اور ناانصافی کی کیفیات میں اپنی بات اپنے خدا سے کرتا ہے، جس سے دل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی پناہ میں آتا ہے اور یوں اس کو سکون، اطمینان اور راحتِ قلبی کا وہ احساس ملتا ہے۔ جو کسی اور عمل سے ممکن نہیں۔ قرآنی آیات اور سورتوں کی بار بار تلاوت سے نمازی کی یادداشت تیز ہوتی رہتی ہے۔ اُسے نسیان یا بھولنے کا عارضہ کم تنگ کرتا ہے۔ اگر نمازی بڑی عمر میں بھی قرآنی سورتیں یاد کرنا چاہے تو کوئی مشکل مانع نہیں

ہوتی۔ ہمارے ہمسائے میں حاجی صاحب ہیں جو ستر سال کی عمر سے زیادہ کے ہیں، اور وہ آجکل قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔ کم مدت میں اڑھائی سیپارے یاد کر چکے ہیں۔ یہ فیض ہے نماز کی پابندی سے ادائیگی کا۔

یہ تو ہے نماز کے طبی فوائد کا بیان۔ اب ایک نظر ان طبی اثرات پر جو وضو کرنے سے جسم کے مختلف اعضاء پر مرتب ہوتے ہیں اور سودمند ثابت ہوتے ہیں:۔

- ہاتھوں کے دھونے سے متعدّی بیماریوں سے بچت ہوتی ہے۔ کیونکہ جراثیم دھل جاتے ہیں۔
- منہ کا دھونا، جلد کو تر و تازہ رکھنے کا اور ایکنی وغیرہ سے بچاؤ اور اعصابی نظام میں تر و تازگی لانے کا سبب ہے۔
- وضو غذائی ذرات کو منہ سے صاف کرتا ہے اور دانت، داڑھوں، زبان اور منہ کے امراض سے بچاتا ہے۔
- نتھنوں میں پانی ڈالنے سے جراثیم صاف ہو جاتے ہیں۔ اور سانس کا نظام ٹھیک کام کرتا رہتا ہے۔
- کانوں کی صفائی اور مسح بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے۔ ذہن کو سکون بخشتا ہے اور کانوں سے میل وغیرہ کو دور کرتا ہے۔
- چہرے کی جلد موسمی اثرات اور ماحولیاتی آلودگی سے محفوظ رہتی ہے۔ دانے جھریاں اور چھائیوں کا امکان کم ہو جاتا ہے۔
- پاؤں کی صفائی، میل کچیل اور جراثیم کو دور کرتی ہے۔ نیز الرجی، چنبل اور پھپھوندی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ البتہ اگر نمی خشک نہ کی جائے تو فنگس بڑھنے کا اندیشہ ہے۔
- پانچ بار کی صفائی Exposed Parts کو ماحولیاتی، موسمی اثرات سے

بچاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی پابندی سے ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے روحانی اور طبی فوائد سے فیض یاب ہو سکیں۔ آمین



چالیس احادیثِ مصطفیٰ کریم ﷺ

(ترجمہ)

حضور نبی اکرم شفیق اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

☆ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآنِ مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآنِ مجید کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری)

☆ صرف دو خصلتوں میں حسد (رشک) کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ دن رات اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات قیام میں قرآن پڑھتا ہے۔ (سننِ کبریٰ)

☆ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے وہ غور کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (طبرانی)

☆ اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ (سننِ ابنِ ماجہ)

☆ گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔ (مسند احمد)

☆ ایمان کے دو حصے ہیں۔ نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (الدّر المنثور)

☆ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں نبی کریم ﷺ شرم وحیا کے منافی بات نہیں کرتے تھے، نہ بازاروں میں زور سے بولتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی

سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (ترمذی)

☆ انسان کا مال وہی ہے جو اس نے آخرت کے لیے بھیج دیا اور جو اس نے رکھ چھوڑا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے۔ (بخاری)

☆ مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ یا جسمانی درد لاحق ہوتا ہے یا کوئی غم پیش آتا ہے یا کوئی بیماری لگتی ہے یا کسی چیز کا اندیشہ اور خوف دامن گیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (ترمذی)

☆ میری امت کو ایسی چیز دی گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی، وہ مصیبت کے وقت انا لِله وإِنّا اليه راجعون پڑھنا ہے۔ (معجم کبیر)

☆ جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔ (مسلم)

☆ جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ (بخاری)

☆ جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم سے سوال کرے، یوں نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر۔ (بخاری)

☆ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور اسکی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، اس کے لیے جہنم سے برأت اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

☆ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کروں گا یا شہادت دوں گا۔ (سننِ کبریٰ)

☆ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے غضب کیا گیا شخص بہت جھگڑا کرنے والا شخص ہے۔

☆ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ (بخاری، مسلم)

☆ اگر کسی بشر کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب خاوند آئے تو عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (حاکم)

☆ تین شخصوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں، جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔ (ترمذی، ابنِ ماجہ)

☆ قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ (طبرانی)

☆ کفر اور ایمان کے درمیان حدِ فاصل نماز ہے، جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔ (طبرانی)

☆ جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی زائد چیز کو خرچ کیا تو اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جس نے اپنی ذات پر اور اپنے اہل پر خرچ کیا یا کسی مریض کی عیادت کی یا راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جب تک روزہ کو فاسد نہ کرے وہ اس کے لیے ڈھال ہے، اور جس شخص کو اللہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا۔

(مسند احمد، بیہقی)

☆ احسان جتانے والا، ماں باپ کا نافرمان، عادی شرابی، جادو پر ایمان رکھنے والا اور کاہن جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند احمد، بیہقی)

☆ سود اگرچہ بہت زیادہ ہو لیکن اس کا انجام مال کی کمی ہے۔ (ابنِ ماجہ)

☆ بندہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر احد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔ (معجم کبیر)

☆ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کو جنت میں داخل نہ کرے گا۔ اور ان کو جنت کی نعمتیں نہ چکھائے گا۔ عادی شرابی، سود خور، ناحق یتیم کا مال کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (امام حاکم)

☆ جس شخص نے مقروض کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (مسند احمد، دارمی، بیہقی)

☆ بے شک تمہارا ربّ حیادار، کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

☆ قیامت کے دن تم میں سے میرے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس میں زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق، نرم مزاج، انس کرنے والے اور انس کیے جانے والے ہوں گے۔ اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور مجلس میں مجھ سے دور ہوں گے جو منہ پھٹ، باچھیں کھول کر بات کرنے والے اور گلا پھاڑ کر بات کرنے والے ہوں گے۔ (الحدیث)

☆ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ (الحدیث)

☆ سخت جان وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہو بلکہ وہ شخص طاقتور ہے جو غصہ کے عالم میں اپنے اوپر قابو رکھے۔

☆ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو اور دشواری اور تنگی پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلاؤ نہ کہ انہیں دین سے دور کر دو۔ (البخاری)

☆ راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا

جواب دو، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔ (البیان)

☆ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

☆ ابنِ آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن کوئی نہیں بھرا، آدمی کے لیے وہی چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اگر ضرورت ہو تو تہائی شکم کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس کے لیے خالی رکھے۔ (الحدیث)

☆ جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو، اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں کھاتا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔ (بخاری)

☆ قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے دنیا میں مجھ پر درود پاک زیادہ پڑھا ہوگا۔

☆ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ اور اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے۔ (ترمذی)

☆ جب جمعہ کا دن اور جمعہ کی رات آئے تو تم مجھ پر درود پاک کی کثرت کرو۔

اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ اجمعین



سیّدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

(تاریخِ اسلام کی عظیم ترین شخصیت)

بعثتِ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے۔آج تکبر،رعونت اور طاقت کے نشے میں مخمور مکہ کے کفار ایک عجیب نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ان کے بدن غصے سے لرز رہے ہیں اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔یہ منظر ان کے لیے ناقابلِ یقین ہے۔وہ مسلمان جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے اور جن میں زیادہ تر مفلس،نادار اور غریب ہیں یا غلام ہیں،بڑے حوصلے اور جرأت سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے کعبۃ اللہ میں عبادت کے لیے آرہے ہیں۔وہ جنہیں علیٰ الاعلان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کی جرأت نہ تھی،آج کفارِ مکہ کے ظلم وستم اور قہر وجبر کی پرواہ کیے بغیر ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ کی وحدانیت اور رسولِ کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار کر رہے ہیں۔کفار نے بغور دیکھا تو معاملہ سمجھ میں آگیا۔آج ان نحیف وکمزور مسلمانوں میں عمر ابن الخطابؓ بھی شامل ہے،جو سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہنمائی میں کعبۃ اللہ کی جانب بڑھتا چلا آرہا ہے۔کفار انگشت بدنداں ہیں کہ یہ عمر کل تک اسلام کا سخت مخالف اور مسلمانوں کی جانوں کا دشمن تھا،آج کیسے زلفِ مصطفیٰ ﷺ کا اسیر ہو گیا۔

کفار مکہ کا دل چاہتا تھا کہ عمر کو اس کی بے باکی اور بے خوفی کی سزا دی جائے لیکن ان کے ماموں عاص بن وائل نے جو سردارانِ مکہ میں سے تھا،ان کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دیا۔عمر کو یہ بھی روا نہ تھا کہ وہ تو کسی کی پناہ میں عبادت کریں اور باقی مسلمان کفار کے رحم وکرم پر ہوں،عمر نے اپنے ماموں کی پناہ لینے سے انکار کر

دیا۔مگر کفار مکہ میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان سے چھیڑ خانی کرتا۔حضرت عمرؓ کی جرأت رندانہ کی بدولت آج مسلمان فاتحانہ انداز میں حرمِ کعبہ میں آئے اور شان وشوکت سے توحید ورسالت کی صدائیں بلند کر کے واپس پلٹے۔یہ ثمر تھا حضرت عمر بن خطابؓ کے اسلام قبول کرنے کا۔اس سے قبل جب آپ اپنے گھر سے نکلے تو بہت مضطرب اور بے قرار تھے۔دل میں ایک کشمکش نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔وہ دیگر مشرکین مکہ کی طرح شروع سے ہی دینِ اسلام کے مخالف تھے مگر آج دینِ اسلام کے داعی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو معاذ اللہ شہید کر کے اس مشن کو ختم کرنے کا ارادہ کر کے روانہ ہوئے تھے۔راستے میں ایک شخص نعیم بن عبداللہ ملا،جس نے حضرت عمرؓ کے ارادے کو بھانپتے ہوئے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔اندر سے قرآنِ مجید تلاوت کرنے کی آواز آرہی تھی۔انہوں نے اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔بہن ان کو بچانے آگے بڑھی تو اسے بھی اتنا مارا کہ لہو بہنے لگا۔بہن کے جسم پر لہو کی سرخی دیکھ کر دل پسیج گیا۔نرمی سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ مجھے بھی دکھاؤ۔بہن نے کہا کہ پہلے وضو کرو،پھر قرآن مجید کو چھونے دوں گی۔انہوں نے غسل کیا اور قرآنِ مجید کی آیات پڑھیں۔

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (الحدید:1)

ترجمہ:۔زمین وآسمان میں جو کچھ ہے،سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ دل میں اترتا جارہا تھا۔جب اس آیت تک پہنچے۔

ترجمہ:۔اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔(الحدید:7)

تو بے اختیار لب پر کلمۂ طیبہ جاری ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسولِ کریم ﷺ ارقم کے گھر میں قیام پذیر تھے جو کوہِ صفا کے پہلو میں واقع تھا۔ حضرت عمرؓ گلے میں شمشیر لٹکائے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، دستک دی تو صحابہ متفکر ہوئے کہ عمر شمشیر بکف آئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا کہ عمر کو آنے دو، نیک ارادے سے آیا ہے تو ٹھیک ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

رسولِ کریم ﷺ خود آگے بڑھے اور عمر کے دامن کو پکڑ کر پوچھا عمر کیسے آئے ہو۔ سید الانبیاء کی جلال سے پُر آواز سن کر عمر لرز اٹھے۔ ان کا رواں رواں کپکپانے لگا۔ آنکھوں کو جھکایا، سرِ تسلیم خم کیا اور نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ ''حضور، ایمان لانے کے لیے'' آپ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ مکہ کی وادی میں گونج پڑ گئی۔

سیدنا عمرؓ کے مقدر کا ستارہ کیوں نہ چمکتا کہ آج صبح سرورِ کائنات ﷺ نے دعا کی تھی۔ ''اے اللہ! اسلام کو ابو جہل یا عمر بن خطاب کے ذریعے عزت عطا فرما''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت تو عمر بن خطابؓ کے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ اس لیے ان کے دامن میں ایمان کی دولت ڈال دی گئی۔ علماء کرام اس مقام پر بیان کرتے ہیں حضورِ انور ﷺ نے دونوں میں سے کسی ایک کے لیے ایمان کی دعا کی، اور حضرتِ عمرؓ مرادِ رسول بن کر مسلمان ہو گئے۔ اگر آپ ''یا'' کی بجائے ''اور'' کا لفظ استعمال کر دیتے تو اللہ تعالیٰ آپ کی خوشی کی خاطر دونوں کو ہی مسلمان کر دیتا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے دینِ اسلام کو قوت ملی اور حق و باطل میں فرق ظاہر ہوا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کو بارگاہِ مصطفوی ﷺ سے فاروق کا لقب ملا۔

سیدنا عمرؓ کا نام عمر اور لقب فاروق تھا۔ اپنی بیٹی ام المؤمنین سیّدہ حفصہ کی

نسبت سے کنیت ابو حفص رکھتے تھے۔ والد کا نام خطّاب اور والدہ کا نام خنتمہ تھا۔ سیّدنا عمر کا تعلق مکہ کے انتہائی معزز خاندان سے تھا۔ سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول کریم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کے جدّ امجد عدی اہلِ عرب کے آپس کے تنازعات میں ثالثی کا کردار ادا کرتے تھے اور کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ معاملات کا مسئلہ ہوتا تو سفیر کا کردار ادا کرتے تھے۔ والدہ ماجدہ خنتمہ، ہاشم بن مغیرہ کی دختر تھیں۔ ان کے دادا مغیرہ کسی دوسرے قبیلہ سے لڑائی کی صورت میں فوج کی تشکیل و انتظام کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

سیدنا عمرؓ ہجرت مصطفوی ﷺ سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ اپنے شباب میں انہوں نے نسب دانی، سپاہ گری، پہلوانی، اور خطابت میں مہارت حاصل کی۔ شہ سواری سیکھی۔ لکھنا اور پڑھنا سیکھا اور عرب کے چند لوگوں میں شامل ہوتے تھے جو خواندہ تھے۔

ذریعہ معاش دیگر افراد مکہ کی طرح تجارت کو بنایا۔ دور دور کے ممالک کا سفر کیا۔ جس سے سیر و سیاحت اور جغرافیائی و تاریخی حقائق کا خوب ادراک ہوا۔ معاملہ فہمی، بردباری، بلند حوصلگی سفارت کاری اور باہمی معاملات کو بحسن و خوبی نبھانے کا سلیقہ آیا۔ قریشِ مکہ اسی وجہ سے آپ کو دیگر قبائل کی جانب سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے۔

عمر کے ستائیسویں سال جب آپ عنفوان شباب میں تھے، وادی فاران کے قبیلہ بنو ہاشم کے ایک عظیم فرزند سیدنا محمد ﷺ نے توحید و رسالت کا علم بلند کیا اور بت پرستی کو چھوڑ کر معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسی کے آگے جھکنے کی دعوت دی۔ دیگر کفارِ مکہ کی طرح آپ بھی اسلام کی تعلیمات سے بہت برانگیختہ تھے اور دعوتِ اسلام قبول کرنے والے افراد کے سخت مخالف تھے۔ اپنی ایک کنیز بُسَبِینَۃُ کو بہت مارا کرتے تھے جو مسلمان ہو چکی تھی۔

جوں جوں مشرکین مکہ مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے اور ان کو اسلام کی رہگزر سے ہٹانے کی کوشش کرتے، ایسے ہی اسلام کی روشنی سعادت مند لوگوں کے دلوں میں اجالا پھیلاتی جاتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چالیس کے قریب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ جن میں سیدنا عمرؓ کی بہن اور بہنوئی بھی شامل تھے۔ آپ ان کو اس جرأت و بیباکی کی سزا دینے گھر سے نکلے اور خود ظلمتوں سے نکل کر اجالوں کی دنیا میں آگئے۔ اب وہ خود بھی ان کے ساتھ شامل تھے جو کفارِ مکہ کے جبر وتشدد کا نشانہ بنتے تھے۔ آپ نے انتہائی دلیری اور جرأت سے کفار کی زیادتیوں کو برداشت کیا مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ جب ہجرت مدینہ کی اجازت ملی تو آپ بھی چند افراد کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل آپ کفار مکہ کے مجمعوں میں سے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، طواف کیا، نماز پڑھی اور بانگِ دہل کفار کو چیلنج کیا کہ جس میں ہمت ہے وہ مکہ سے باہر آکر میرے ساتھ مقابلہ کرے۔ مگر کسی میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ عمر کی تلوار سے ٹکرا سکتا۔ آپ اطمینان سے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

وادی قبا میں پہنچے تو رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان رہے۔ اور پھر عوالی کے علاقے میں قیام پذیر ہوگئے۔ رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد مواخات کا سلسلہ چلا تو قبیلہ بنی سالم کے ایک رئیس عتبہ بن مالک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا بھائی بنا دیا۔ یہ نظامِ اخوت مہاجرین کی دلجوئی اور معاشی و معاشرتی ترقی کے لیے ایک اساس ثابت ہوئی۔

قیامِ مدینہ کے ابتدائی ایام میں جب نماز کی ادائیگی کے لیے بُلانے کا کوئی طریقہ اپنانے کا مشورہ مانگا گیا تو سیدنا عمرؓ نے تجویز کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے نماز کے لیے آنے کی دعوت دی

جائے۔ چنانچہ اذان دینے کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ اور کرۂ ارض کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اذان کی صدا بلند نہیں ہوتی۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران نبی رحمت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے دفاع اور گلشنِ اسلام کو کفار کی یلغار سے بچانے کے لیے بہت سے غزوات میں حصہ لینا پڑا۔ سیدنا عمرِ فاروقؓ ان تمام غزوات اور اکثر سرایا میں بھرپور انداز میں شریک رہے اور اپنی شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ بلکہ بہت سے نازک مراحل پر نبی کریم ﷺ سے مشاورت میں بھی شامل رہے۔ ان کے مشورے اور رائے بصیرت اور فراست پر مشتمل ہوتے تھے۔ اسلام کے تحفظ کا پہلا معرکہ بدر کے مقام پر ہوا جس میں کفار تین گنا زائد تعداد میں مسلمانوں کی قلیل تعداد پر حملہ آور ہوئے۔ سیدنا عمرِ فاروقؓ اس معرکۂ حق و باطل میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے اور جنگ کے دوران اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ ان کی دینی حمیت نے اس امر کی پرواہ نہ کی کہ ان کا کوئی قریبی عزیز' ان کے مقابل ہے۔ انہوں نے اپنے رشتے کے ماموں عاص بن ہشام کو خود قتل کیا۔ مسلمان اس غزوہ میں فتحِ مبین سے فیضیاب ہوئے۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مقدر کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنی پُرجلال طبیعت کی وجہ سے مشورہ دیا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ مگر رحمۃ للعالمین سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت و رأفت والی طبیعت نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے مشورے پر ان کو فدیہ لیکر رہا کر دینے کا فیصلہ پسند فرمایا۔

غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ کے شر پسند یہودیوں کی شرارتوں سے مستقل نجات پانے کے لیے ان کو مدینہ منورہ سے بے دخل کر کے خیبر کی جانب جلاوطن کر دینے کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں سیدنا عمرؓ نے بھرپور حصہ لیا۔ غزوۂ سویق اور دیگر معرکوں میں بھی انہوں نے بھرپور شرکت کی۔

شوال 3 ھ میں غزوۂ احد پیش آیا جس میں کفار تقریباً تین ہزار سپاہ کے ساتھ اس ارادے سے آئے تھے کہ اسلام کے شجرِ سرسبز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ مسلمانوں کی تعداد ان کے مقابلے میں ایک چوتھائی تھی۔ لیکن لڑائی شروع ہوئی تو کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ قریب تھا کہ شکست سے دوچار ہوکر بھاگ اٹھتے کہ اُحد کے پہلو میں ایک درے کی حفاظت پر مأمور مسلمانوں کی معمولی سی غلطی سے کفار کو مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ اس حد تک آگے بڑھ آئے کہ خود نبی کریم ﷺ پر بھی حملہ آور ہوگئے جس سے آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کی جذبۂ شہادت سے سرشار جماعت نے جان کی بازی لگا کر تیروں کی بوچھاڑ کو روکا اور ان کے وار کو پسپا کیا۔ اس جماعت میں سیدنا عمر پیش پیش تھے۔ انہوں نے ایک دستہ کے ہمراہ خالد بن ولید کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکا اور کفار کے لیے حضور اکرم ﷺ تک پہنچنے کی راہ مسدود کردی۔

غزوۂ احد کے بعد اسی سال آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ نبی مکرمؐ کے عقد میں آئیں اور امّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل کیا۔

5 ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ جس میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے نبی رحمت علیہ التحیۃ والسکینۃ نے شہر کے گرد ایک خندق کھود کر کفار کی یلغار کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ خندق کے ایک حصہ کی کھدائی اور اس کی حفاظت سیدنا عمرؓ کے ذمے تھی۔ آج بھی مدینہ کے نواح میں جبل سلع کی دوسری جانب ایک مسجد آپ کے نام پر اس واقعہ کی یاد دلاتی ہے۔ اس غزوہ میں کفار نے ایک ماہ تک مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے رکھا لیکن بالآخر وہ مایوس ہوکر واپس کوچ کر گئے، اور یہ میدان غازیانِ اسلام کے ہاتھ رہا۔

6 ھ میں نبی مکرم ﷺ عمرہ کے ارادے سے صحابۂ کرام کے ہمراہ غیر مسلح

حالت میں مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب پتہ چلا کہ کفار نے مکمل پیش بندی کی ہے کہ مسلمان کسی صورت میں مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہوسکیں۔ بیعتِ رضوان کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا۔ تمام صحابہ نے حضورِ اکرم ﷺ کے دستِ مقدس پر بیعت کی۔ سیدنا عمر بھی ان صحابہ میں شامل تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر کفار سے معاہدہ بھی طے ہوا۔ جس میں ایک شِق ایسی تھی جس سے بظاہر مسلمانوں کی پوزیشن کمزور پڑتی تھی۔ سیدنا عمرؓ کی غیور طبیعت کچھ بے قرار سی ہوگئی اور آپ نے نبی مکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں؟ تو پھر ہم دب کر کفار سے معاہدہ کیوں کر رہے ہیں؟ دانائے غیوب ﷺ نے فرمایا: اے عمر! جان لو میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی منشاء کے خلاف نہیں کرتا۔ سیدنا عمرؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد ازاں سیدنا عمرؓ کو اپنی اس بات پر بہت ندامت ہوئی۔ اور ساری عمر اس پر پشیمان رہے۔

7 ھ میں واقعہ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ میں سیدنا عمرؓ سرورِ انبیاء ﷺ کے ساتھ رہے۔ فتح کے بعد خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم کردی گئی۔ سیدنا عمر کے حصے میں ایک قطعہ اراضی آیا۔ انہوں نے ثمغ نامی اس ٹکڑے کو وقف کردیا۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا۔

8 ھ میں فتح مکہ کا عظیم مرحلہ آیا اور مسلمان حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں فاتحانہ انداز میں اس شہر میں داخل ہوئے جہاں ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، ناطقہ بند کر دیا گیا تھا اور وہ مجبور و بے بس ہوکر اپنے ہی شہر سے بے وطن ہوگئے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر سیدنا عمرؓ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے۔ روایات میں ہے کہ خواتین سے خود حضور اکرم ﷺ نے بیعت نہ لی بلکہ آپ کے فرمان پر سیدنا عمرؓ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی۔

9ھ میں قیصر روم کے لشکرِ جرار کی مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پھیلی تو مسلمانوں کا ایک لشکرِ عظیم تشکیل دیا گیا۔عطیات کا سلسلہ چلا تو سیدنا عمرؓ نے اپنا سارا ساز وسامان نصف نصف کیا اور آدھا مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

10ھ میں حجۃ الوداع کی سعادت کا موقعہ ملا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے آقا ومولا ﷺ کے ہمراہ تھے۔اور جب نبی آخرالزمان ﷺ نے وصال فرمایا تو سیدنا عمرؓ بہت جذباتی ہوگئے۔غم کی شدت سے نڈھال ہوگئے۔انہیں اپنے پیارے آقا کے جدا ہونے کا یقین نہیں آرہا تھا۔تب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں سنبھالا دیا اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر ان کو تسلی دی۔پھر دونوں اصحاب نے قریش وانصار کے مابین خلیفۃ الرسول کے انتخاب میں آنے والی دراڑ کا راستہ مسدود کیا۔اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو خلیفۃ الرسول منتخب کیا گیا۔اس انتخاب میں سب سے زیادہ ترغیب سیدنا عمرؓ کی ہی تھی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا عمرؓ کی آراء اور مشوروں سے مکمل استفادہ کیا۔ان کی بصیرت، ذہانت، جرأت عدل وانصاف اور حُبِ رسولِ معظم ﷺ کو دیکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے سیدنا عمر کو اپنا جانشین اور امیر المؤمنین نامزد کیا۔

سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے خلافت کا بوجھ کندھوں پر اٹھایا تو اس کا حق ادا کر دیا۔نوزائیدہ اسلامی سلطنت کو استحکام بخشا اور قرب وجوار کے ممالک میں فتح کے جھنڈے بھی گاڑے اور ساتھ ہی ایران، شام اور مصر جیسی عظیم سلطنتوں کو بھی مملکت اسلامیہ میں شامل کرلیا۔اور یوں لاکھوں غیر مسلم اسلام کی روشنی سے فیضیاب ہوئے۔

ایران کی سلطنت وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔سیدنا صدیق اکبرؓ

کے دور میں ہی سیدنا خالد بن ولیدؓ ایرانیوں کے گھمنڈ کو توڑنے میں مصروف تھے۔اور ان کی قیادت میں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ان کو شام کے محاذ پر طلب کرلیا گیا۔

ایران کی سلطنت سے دولتِ اسلامیہ کو جو خطرات تھے،ان سے نمٹنے کے لیے سیدنا عمرؓ نے ایرانیوں کو مغلوب کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔جیّد صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سینکڑوں جید صحابہ اور اسلامی لشکر کے ساتھ عراق بھیجا جو ایران کا دارالحکومت تھا۔قادسیہ کے مقام پر خوب لڑائی ہوئی' جس میں ایران کے بڑے بڑے سپہ سالار مارے گئے۔مسلسل جدوجہد سے ایران کی عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔آپ نے فتح کا پیغام پڑھ کر فرمایا۔آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی۔اوراب وہ کسی طرح اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔

ملکِ شام کی فتح بھی سیدنا عمرؓ کے دور میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔سیدنا خالد بن ولید نے حسنِ تدبیر اور مکمل منصوبہ بندی سے اسے فتح کر کے دمشق اور اردن پر علمِ اسلامی لہرادیا۔ہرقلِ روم مسلمانوں کی فتوحات سے خائف تھا۔اس نے یرموک کے علاقے میں لاکھوں رومی فوجیوں کو جمع کیا۔مسلمانوں کے سپہ سالارِ اعظم سیدنا ابوعبیدہؓ نے دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں صرف تیس ہزار کے قریب مجاہدین کو اس انداز سے میدان میں اتارا کہ ان کی بہادری،شجاعت، جذبۂ شہادت اور استقلال کے آگے رومیوں کا لشکر کثیر ٹڈی دل ثابت ہوا۔ایک لاکھ کے قریب رومی مارے گئے جبکہ صرف تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

فتح یرموک کے ساتھ ہی دیگر ہمسایہ ممالک اور علاقے فتح ہوتے چلے گئے۔

بیت المقدس کا محاذ سیدنا عمرو بن العاص کے سپرد تھا۔جنہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔چھ دن کے بعد اہلِ بیت المقدس نے شکست مان لی۔مگر

خواہش ظاہر کی کہ خود امیر المؤمنین آ کر معاہدہ پر دستخط ثبت کریں۔ سیدنا عمر فاروقؓ خود بیت المقدس پہنچے۔ اور فاتحانہ انداز میں شہر کے اندر داخل ہوئے واپسی پر قریب کے دیگر مفتوحہ علاقوں کا دورہ بھی کرتے آئے اور سرحدوں کی حفاظت کا جائزہ لیتے رہے۔

مصر کا علاقہ بھی سیدنا عمرو بن العاص کی قیادت میں فتح ہوا۔ اور اکثر مصری برضا و رغبت اسلام کی نعمت سے فیضیاب ہوئے۔ فتوحات کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک صبح فجر کے وقت نماز کے دوران میں ایک غلام ابو لؤلؤ فیروز نے خنجر کا وار کر کے سیدنا عمر فاروق ؓ کو شدید زخمی کر دیا۔ اسی زخم میں تین دن مبتلا رہ کر وہ یکم محرم 24 ھ کو مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے اور اپنے پیارے آقا ﷺ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

سیدنا فاروقِ اعظم نے بہت سی شادیاں کیں۔ ان کی بیویوں میں سے چند کے نام زینب، قریبہ، ملیکہ، عاتکہ اور امّ کلثوم تھے۔ امّ کلثوم رسولِ کریم ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمہؓ کی بیٹی تھیں۔ یہ نکاح 17 ھ میں چالیس ہزار درہم مہر پر ہوا تھا۔ سیدنا عمر فاروقِ اعظمؓ کی اولاد میں سب سے نمایاں نام امّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ کا ہے۔ دیگر اولاد میں عبداللہ، عاصم، ابوشحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیر کے نام نمایاں ہیں۔



سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

سیرت اور دورِ خلافت

سیدنا عمر فاروق ؓ کا دورِ حکومت خلافت تاریخِ اسلامی کا سنہری باب ہے۔ ایک جانب ہزارہا مربع میل پر مشتمل ممالک اور علاقوں پر اسلامی پرچم لہرایا۔ مسلمان جرنیلوں اور مجاہدوں کے کردار اور شب و روز کے معمولات سے متاثر ہو کر لاکھوں غیر مسلم اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اور ان کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔ دوسری جانب آپ نے اندرونی طور پر حکومتی ڈھانچہ کی تعمیر و ترقی کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ اور اسلام کے نظامِ خلافت کو باضابطہ طور پر ترتیب دیا جو خلیفہ اول سیّدنا صدیق اکبرؓ کے دور میں ابتدائی مراحل میں تھا۔

سیدنا فاروقِ اعظم کے دور میں شورائی نظام بہت احسن انداز میں قائم ہوا۔ اہم مسائل پر مشاورت کے لیے مجلس شوریٰ موجود تھی۔ جس میں انصار و مہاجر کے برگزیدہ اور منتخب افراد شامل ہوتے تھے۔ اور اہم فیصلے کثرت رائے یا اتفاق رائے سے ہوتے تھے۔ چند خاص ممبران کے نام یہ ہیں: سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن عوفؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا اُبَیّ بن کعبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ۔ مجلس شوریٰ کے ساتھ ساتھ ایک مجلسِ عام تھی جن میں انصار و مہاجرین کے ساتھ تمام قبائل کے سرداران بھی شامل ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں مہاجر صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک خاص مجلس بھی تھی جو انتہائی اہم مواقع پر فیصلے کرتی تھی۔

مجلسِ شوریٰ میں ہر ایک رکن کو کھلے دل سے اپنی رائے دینے کا اختیار ہوتا

تھا۔اور اسی طرح ہر ایک کو امیر المؤمنین سمیت سب ذمہ داروں کا احتساب کرنے کا حق حاصل تھا۔

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے مملکت اسلامیہ کو انتہائی منظّم انداز میں ترتیب دیا۔ آپ نے تمام مملکت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔جو اِس طرح سے تھے۔مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ،شام، جزیرہ، بصرہ،کوفہ،مصر،فلسطین۔نیز خراسان، آذربائیجان اور فارس ان صوبوں کے علاوہ خصوصی علاقے تھے۔ ہر صوبہ میں ایک ہی طرح کے ذمہ دار ہوتے تھے۔جن کا انتخاب مجلسِ شوریٰ میں باضابطہ طور پر عمل میں آتا تھا۔تفصیل اس طرح سے ہے۔ والی یعنی گورنر، کاتب، کاتبِ دیوان (فوجی محکمہ کا سیکرٹری)۔ صاحب الخراج (کلکٹر)، پولیس آفیسر انچارج،افسرِ خزانہ، شیخ قاضی (جسٹس)۔ ان کے علاوہ فوجی مہمات کے لیے سپہ سالار کا انتخاب بھی مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔

ایران اور شام فتح ہوئے تو اکثر اصحاب کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقوں کی زمین سپہ سالاروں اور مجاہدین میں وقف کردی جائے۔مگر سیدنا عمرؓ نے بحث ومباحثہ کے بعد زمین مقامی لوگوں کی ملکیت میں ہی رہنے دی۔مگر قابلِ کاشت زمین کا سروے کرایا گیا اور عشر وخراج کا نظام نافذ کیا گیا۔تجارت کے ذریعے درآمد ہونے والے مال واسباب کا ٹیکس یعنی چونگی یا کسٹم کا نظام نافذ کیا گیا۔کیونکہ مسلمان دیگر ممالک میں جب مالِ تجارت لے کر جاتے تھے تو دس فیصدی ٹیکس ادا کرتے تھے۔

آپ نے تمام ممالک میں مردم شماری کرائی۔ با قاعدہ عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔اور قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ مقرر کی گئیں امن وامان اور احتساب کے لیے پولیس کا شعبہ تشکیل دیا گیا۔جس کے انچارج کا نام ''صاحب الاحداث'' تھا۔امن وامان کے ساتھ ساتھ یہ افسر اس بات کا خیال رکھتے تھے۔کہ دوکان دار ناپ تول میں کمی نہ کریں،تجاوزات قائم نہ ہوں، جانوروں پر بار برداری کا کام لیتے

ہوئے مناسب حد تک بوجھ ڈالا جائے، شراب کی خرید وفروخت نہ ہو۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے جیل خانہ جات کا نظام تشکیل دیا۔اور تقریباً ہر علاقے میں جیلیں قائم ہوئیں۔آپ نے ہی جلاوطنی کی سزا کی ابتداء کی۔

سیدنا عمر فاروقِ اعظمؓ نے مالِ غنیمت، ٹیکس اور دیگر ذرائع سے ہونے والی آمدنی اور مال واسباب کو ایک جگہ پر جمع رکھنے اور اس کا باضابطہ حساب کتاب رکھنے کے لیے بیت المال کا نظام قائم کیا۔ بڑے بڑے رجسٹروں میں حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔سال کے بعد علاقائی بیت المال میں سے بچی ہوئی رقم اور مال صدر خزانہ مدینہ منورہ میں جمع ہوتی تھی۔

سیدنا عمرؓ نے ماہ وسال کا حساب کتاب رکھنے کے لیے سنِ ہجری کو باضابطہ طور پر نافذ کیا۔اور اس طرح مستقل سن کا نظام جاری ہوا۔

اسلام کا دائرہ عمل بڑھا اور فتوحات کا سلسلہ پھیلا تو تعمیر وترقی کا عمل بھی شروع ہوا۔افسران کی رہائش کے لیے ہر جگہ سرکاری رہائشیں اور دفاتر تعمیر ہوئے۔ عام لوگوں کی سہولت کی خاطر سڑکیں، پُل اور مساجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ مسافروں کے لیے سرائے اور مسافر خانے بنے،خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ جو انتہائی مضبوط ہوتی تھیں۔فوجی بیرکیں اور چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ زائرین اور حجاج کی سہولت کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ کو آسان اور آرام دہ بنایا گیا۔اور بہت سے مقامات پر سرائیں، چوکیاں اور کنویں بنائے گئے۔

زراعت کی ترقی اور فصلوں کی سیرابی کے لیے نہریں کھدائی گئیں۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے پرانے شہروں کی تعمیر وترقی کے ساتھ ساتھ اس بات کی حوصلہ افزائی بھی کی کہ مسلمان نئے علاقوں میں جا کر آباد ہوں اور نئی بستیاں اور شہر آباد کریں۔ان شہروں میں بصرہ،کوفہ،فسطاط،موصل،جیزہ جیسے مشہور علاقے بھی

شامل ہیں۔ جہاں چھاؤنیاں، تعلیمی ادارے، بازار اور رفاہِ عامہ کی تعمیرات بنائی گئیں۔ بعد میں یہ مقامات خوب آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ علم وادب اور تہذیب وتمدن کے بڑے مراکز میں بدل گئے۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے فوج میں نظم ونسق کے قیام، سپاہیوں کی بہترین تربیت اور نگہداشت اور لشکر میں ڈسپلن کے رواج کے لیے ایک مکمل نظام العمل وضع کیا، جو ملٹری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ فوج میں خدمات کو لازمی قرار دینے کے لیے انہوں نے پورے ملک اور مفتوحہ علاقوں میں مردم شماری کرائی۔ جس کا آغاز قریش اور انصار کے کوائف جمع کرنے سے ہوا۔ ہر سپاہی کی تنخواہ مقرر ہوئی۔ یہاں تک کہ ہر نوزائیدہ بچے کو ایک سپاہی جان کر اس کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے ساتھ ساتھ کھانا اور لباس مفت ملتا تھا۔ فوج کی جہادی سپرٹ کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں زراعت یا تجارت کا پیشہ اپنانے کی اجازت نہ تھی۔ فوجیوں کی تربیت کے لیے چار امور لازمی تھے۔ تیرنا، گھڑ سواری، تیراندازی اور ننگے پاؤں چلنا۔ ہر چار ماہ کے بعد سپاہیوں کو اپنے گھر جا کر بیوی بچوں سے ملنے اور ان کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے رخصت پر اپنے وطن جانے کی اجازت ہوتی تھی۔ کوچ کی حالت میں فوج کو جمعہ کے دن پڑاؤ ڈالنے اور چوبیس گھنٹے کے لیے آرام کرنے کا حکم تھا۔

بڑے بڑے شہروں کے قریب چھاؤنیاں بنائی گئیں جن میں مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین قابل ذکر ہیں جبکہ دیگر اہم مقامات پر بھی ہر وقت فوجیں متعین رہتی تھیں، ان کے قیام کے لیے فوجی بارکیں بنائی جاتی تھیں۔ جاسوسی کا وسیع نیٹ ورک قائم کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے مقامی لوگوں کی خدمات سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔

لشکر میں اسلحہ اور جنگی اوزار بخوبی فراہم کیے جاتے۔ اسپ سواری کی خاطر

گھوڑوں کے فارم بنائے گئے۔ گھوڑوں کو موسمِ بہار میں چرنے کی خاطر سرسبز وشاداب علاقوں میں خصوصی چراگاہوں میں بھیج دیا جاتا۔

فوج کو تاکید کی جاتی تھی کہ لڑائی کے دوران اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھیں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ درختوں اور پودوں کا خیال رکھا جائے۔ نیز ذمیوں کو ہر قسم کی سہولت اور ان کے جان ومال کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے۔ الغرض سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک جامع قسم کا فوجی نظام ترتیب دیا۔

دائرہ اسلام میں غیر مسلموں کو شامل کرنے اور مسلمانوں میں دینی تعلیمات کی اشاعت وفروغ کے لیے سیدنا عمرؓ کی خدمات تاریخِ اسلام کا زریں باب ہیں۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں کے قبائل اور ذمیوں پر خصوصی توجہ دی جس سے وہ جوق درجوق مسلمان ہوئے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مسلم عمائدین، افواج اور عام مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے حسن اخلاق اور احسن کردار سے غیر مسلموں کے دلوں میں گھر کریں۔ جس کے نتیجے میں بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے۔

تبلیغ اسلام کے ساتھ دوسرا اہم کام مسلمانوں کے اندر دینی تعلیمات کا فروغ اور ان کے اخلاق وکردار میں شعائر اسلام کی پابندی تھی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے باقاعدہ طور پر معلمین، مؤذنین اور حفاظ کا تقرر کیا اور ان کی ماہانہ بنیاد پر تنخواہیں مقرر کیں۔ قرآنِ مجید کو تلفظ اور لہجہ کی درستگی اور صحت کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب دی گئی۔ اس طرح قرآنی تعلیمات عام ہوئیں اور ہزارہا لوگ حفاظ بن گئے جن میں سے بہت سے فوج میں بھی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ آپ نے احادیثِ مصطفیٰ ﷺ کے فروغ کے لیے انہیں تحریری صورت میں لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھیجا تاکہ مسلمان ان پر عمل کرسکیں۔ اسی طرح عوام الناس کو پیش آنے والے روزمرہ

مسائل کے حل کے لیے فقہ کی ترویج ہوئی۔آپ خود قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف مسائل کا حل پیش کیا کرتے تھے۔نیز آپ کی نگرانی میں بہت سے اکابر صحابۂ کرام نے فقہی مسائل کو حل کرنے کے لیے کام کیا جن میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ کے نام نمایاں ہیں۔آپ نے احادیث کے فروغ اور اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے مختلف صحابہ کو مختلف علاقوں میں بھیجا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ، سیدنا عبداللہ بن مغفلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ، سیدنا عبادہ بن الصامتؓ اور ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا۔الغرض آپ کے دور میں دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے ایک باقاعدہ اور مربوط نظام قائم کیا گیا۔آپ کے عہد میں کعبہ مشرفہ کے لیے نہایت نفیس کپڑے کا غلاف تیار کیا گیا، مسجد نبوی کو وسعت دی گئی۔مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام کیا گیا۔حجاج کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے کے اقدامات کیے گئے۔آپ خود ہر سال حج پر جاتے تھے اور حجاج کی سہولتوں کی نگرانی کرتے تھے۔

سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کے ذاتی خصائل اور اوصاف کا تذکرہ کرنے کے لیے ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔خوفِ خدا اور تقویٰ آپ کا سب سے بڑا وصف تھا۔اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کے ذکر سے ہمیشہ ڈرتے رہتے۔ساری رات عبادت کرتے اور ایسی آیات پڑھتے جن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر ہوتا تو رو رو کر ہچکی بندھ جاتی۔ اللہ کے خوف سے اتنے ڈرتے تھے کہ ایک دفعہ راستے میں سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا: ''کاش میں بھی خس وخاشاک ہوتا، کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی''۔

آقا ومولیٰ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت اور عشق ایمان کی بنیاد اور محورِ دین ہے۔سیدنا عمرؓ کا دل عشقِ رسول ﷺ کی روشنی سے منور تھا۔آپ کو اپنی جان، مال،

اولاد ہر چیز سے زیادہ اپنے آقا ﷺ سے محبت تھی۔ایک بار نبی کریم ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر کنارہ کشی کر لی تو سیدنا عمرؓ حاضر خدمت ہوئے۔مگر بار بار اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو غمزدہ دل کے ساتھ پکار اٹھے۔''خدا کی قسم میں حفصہؓ کی سفارش کے لیے نہیں آیا۔اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو میں اس کی گردن بدن سے جدا کر دوں''۔ (فتح الباری)

رسولِ کریم ﷺ کی نسبت سے آپ کے عزیزوں اور پیاروں کو سیدنا عمرؓ بھی بہت چاہتے تھے۔آپ کے نواسوں کو جب مالِ غنیمت میں حصہ دیتے تو اپنی اولاد سے بھی زیادہ دیتے۔امہات المؤمنین کے وظائف اور سہولتوں کا اور ان کے احترام کا خاص خیال رکھتے تھے۔سیدنا عمرؓ اپنے روزمرہ کے اعمال میں اسوۂ مصطفویؐ کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔اتباعِ مصطفیٰ ﷺ میں سادہ اور فقر کی زندگی بسر کی۔عمدہ اور لذیذ کھانے پسند نہ تھے۔رسولِ کریم ﷺ کی پیروی اور اتباع ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا: ''میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا''۔اسی طرح طواف کے دوران رمل حضور اکرم ﷺ نے کفار پر رعب ڈالنے کے لیے شروع کرایا تھا۔سیدنا عمرؓ نے ایک بار سوچا کہ اب اس کا کیا فائدہ مگر حبِ رسول ﷺ آڑے آئی اور اس فعل کو جاری رہنے دیا۔

زہد وقناعت میں امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ صحابہ کرام میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔آپ نے کبھی نرم گداز لباس زیبِ تن نہ کیا۔کُرتے میں پیوند لگے ہوتے۔عمامہ بعض جگہ سے پھٹا ہوتا اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتیں۔اسی لباس میں آپ سپر پاورز کے سفیروں اور نمائندوں سے ملاقات کرتے۔آپ کی غذا نہایت سادہ اور معمولی ہوتی تھی۔سادہ روٹی اور روغنِ زیتون ہوتا تھا۔روٹی گندم کے اَن چھنے آٹے

سے بنائی جاتی تھی۔خزانہ سے صرف اس قدر ہی وظیفہ لیتے تھے جو ان کی ضروریات زندگی کے لیے کافی ہوتا تھا۔انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی بڑے عہدے نہ دیئے تاکہ اقرباء پروری کا الزام نہ آئے اور یہ رواج نہ چل پڑے۔حکام کی جانب سے آنے والے تحفے واپس کردیتے یا بیت المال میں جمع کرادیتے تھے۔اوراس انداز میں سختی سے پیش آتے تھے کہ حکام اور گورنروں کو تحائف بھیجنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

اگرچہ سیّدنا عمر فاروقؓ کے رعب، دبدبہ اور جلال کی دھوم چارسو تھی۔ باطل آپ کی جلالت سے لرزہ براندام رہتا تھا لیکن آپ میں تواضع، انکساری اور انسان دوستی اس قدر تھی کہ حاکمِ وقت ہونے کے باوجود بیواؤں، مسکینوں اور کنیزوں کے کام کردیا کرتے تھے۔غریبوں، ناداروں اور یتیموں کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد تمام عربی النسل غلاموں کو آزاد کرادیا تھا اور دیگر اقوام میں اس قدر ترغیب دی کہ آہستہ آہستہ غلامی کا نظام صفحۂ ہستی سے ختم ہوگیا۔

سیدنا عمرؓ اس قدر انسان دوست اور غریب پرور تھے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔شہر میں رات کو بذاتِ خود گشت لگایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے حال احوال سے باخبر رہ سکیں۔ایک بار ایک محلے میں ایک عورت کو دیکھا کہ بچے شور مچا رہے ہیں اور وہ عورت چولہے پر ہنڈیا رکھے بیٹھی کچھ پکا رہی ہے۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس غریب عورت کے پاس بچوں کو کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔وہ صرف تسلی دینے کے لیے خالی ہنڈیا گرم کررہی ہے۔سیدنا عمرؓ آبدیدہ ہوکر جلدی سے بیت المال پہنچے اوراپنے کندھوں پر کھانے پینے کا سامان لیکر اس عورت کے گھر پہنچے اور بچوں کے کھانے کا اہتمام کیا۔

اسی طرح ایک بار ایک خیمے میں ایک عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ دریافت پر پتہ چلا کہ وہ دردِزہ سے کراہ رہی ہے۔آپ خود اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر

آئے تاکہ وہ اس خاندان کی مدد کرسکیں۔

ایک بار مدینہ منورہ کے باہر کچھ لوگ آکر ٹھہرے۔سیدنا عمرؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف گشت پر تھے۔سیدنا عمرؓ نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں چوری چکاری کی نیت سے شہر میں نہ چلے جائیں۔اس لیے دونوں رات بھر ان لوگوں کی نگرانی کرتے رہے۔الغرض انسان دوستی، غریب پروری اور فرض شناسی میں وہ یکتا تھے۔سیدنا فاروق اعظم کے ذاتی اوصاف اور فضائل کا تذکرہ کرنے کے لیے دفتر درکار ہیں۔آخر میں صرف ان فضائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔جو صحیح بخاری میں روایت ہوئے ہیں:

☆ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں جنت دیکھی، میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایک محل کے کنارے وضو کررہی ہے۔میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ عمرؓ کا، پھر مجھے ان کی غیرت وحمیت یاد آئی اور میں وہیں سے لوٹ آیا۔اس پر حضرت عمرؓ رو دیئے۔اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا میں آپ پر بھی غیرت کروں گا''۔

☆ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔''میں نے خواب میں دودھ پیا اتنا کہ میں دودھ کی تازگی محسوس کرنے لگا جو میرے ناخنوں پر بہہ رہی ہے۔پھر میں نے یہ پیالہ عمرؓ کو دے دیا۔صحابہ نے پوچھا۔یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اس خواب کی تعبیر کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر علم ہے''۔

☆ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابنِ خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کبھی شیطان تم کو

کسی راستے پر چلتا دیکھ لیتا ہے تو اسے چھوڑ کر وہ کسی دوسرے راستے پر چل پڑتا ہے''۔

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد پھر ہمیں ہمیشہ عزت حاصل رہی''۔

☆ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ جب عمرؓ کو (شہادت کے بعد) ان کے بستر پر رکھا گیا تو تمام لوگوں نے جسم مبارک کو گھیر لیا اور ان کے لیے دعا اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ میت ابھی اٹھائی نہیں گئی تھی میں بھی وہیں موجود تھا۔ اسی حالت میں اچانک ایک صاحب نے میرا شانہ پکڑ لیا میں نے دیکھا تو وہ علیؓ تھے۔ پھر انہوں نے سیدنا عمرؓ کے لیے دعائے رحمت کی اور (ان کی نعش کو مخاطب کر کے) کہا: آپ نے اپنے بعد کسی بھی شخص کو نہیں چھوڑا کہ جسے دیکھ کر مجھے یہ تمنا ہوتی کہ اس کے عمل جیسا عمل کرتے ہوئے میں اللہ سے جا ملوں۔ اور خدا کی قسم مجھے تو پہلے سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی رکھے گا۔ میرا یہ یقین اس وجہ سے تھا کہ میں نے اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تھے کہ ''میں، ابوبکر اور عمر باہر آئے''۔

☆ سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے تو آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان بھی تھے۔ پہاڑ لرزنے لگا تو حضور ﷺ نے اپنے پاؤں سے اسے ٹھوکر لگائی اور فرمایا: ''اے احد! ٹھہرا رہ کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں''۔

☆ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر

ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے بنی اسرائیل کی امتوں میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے کہ نبی نہیں ہوتے تھے اور اس کے باوجود فرشتے ان سے کلام کیا کرتے تھے اور میری امت میں اگر کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے تو وہ عمرؓ ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی محبت اور عقیدت میں اضافہ کرے اور ان کی حیاتِ طیبہ کو مشعلِ راہ بنا کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کے صدقہ و وسیلہ جلیلہ سے ہمیں دین و دنیا میں فلاح و کامرانی سے سرفراز فرمائے۔ آمین



پیکرِ صدق ووفا

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

دس محرم الحرام یعنی یومِ عاشورہ تاریخ انسانی کی ابتداء سے لیکر آج تک ہمیشہ محترم ومکرم رہا ہے۔اس روز بہت سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے،جو تاریخ انسانی میں آفتابِ روشن کی طرح فروزاں ہیں۔مثلاً:

☆ اس روز سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

☆ اسی روز سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی بحفاظت منزل تک پہنچی جبکہ قومِ نوح نیست ونابود ہوگئی۔

☆ اسی دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود گل وگلزار ہوئی۔

☆ اسی دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ایک طرف لیکن جس عظیم واقعہ نے یوم عاشورہ کو ممتاز ونمایاں کر دیا وہ ہے کربلا میں ظہور پذیر ہونے والا سانحۂ عظیم جس میں نواسۂ رسول ﷺ جگر گوشۂ بتولؓ اور مولائے کائنات سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں کے نور سیدنا حسینؓ نے فرات کے کنارے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر اپنی اور اپنے کنبے کی جانوں کا نذرانہ دے کر حق کا علم بلند کر دیا اور باطل کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا۔اس روز نواسۂ رسول ﷺ نے لازوال قربانیاں دے کر وہ اوراق رقم کیے جو آج بھی تاریخ حریت وعزیمت کے ماتھے کا جھومر ہیں۔اور حشر تک حق وصداقت اور صدق ووفا کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت

ہوتے رہیں گے۔

خلافتِ راشدہ کا دور نبی آخرالزّماں شاہِ مرسلاں سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بعد تاریخ اسلامی کا بہترین دور ہے۔جس میں چمنِ اسلام بہت بھرپور انداز میں پھلا پھولا۔ہر طرف محبت،رواداری،امن،خوشحالی اور فلاح وبہبود کا دور دورہ ہوا۔سلطنتِ اسلامیہ کا پرچم استنبول سے لیکر اصفہان تک اور دمشق سے لیکر بخارا تک لہرانے لگا۔قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتیں نیست ونابود ہوئیں اور لاکھوں مربع میل پر پھیلے ہوئے خطۂ اراضی پر بسنے والے افراد اسلام کے نور سے فیضیاب ہوئے۔لیکن خلافتِ راشدہ کے ختم ہوتے ہی حضرت امیر معاویہؓ نے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جس کا خمیازہ ملتِ اسلامیہ کو واقعۂ کربلا کی صورت میں بھگتنا پڑا۔انہوں نے خلفائے راشدین کی سنت کے برخلاف اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔یزید اگر نیک،پارسا،متقی اور صالح کردار کا مالک ہوتا تو شاید گزارا ہو جاتا لیکن وہ پرلے درجے کا بدکار،بدکردار،شرابی،زانی اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے یکسر خلاف عادات واطوار کو اپنائے ہوئے تھا۔اس کی بدکاری اور فسق وفجور کے چرچے زباں زدِ عام تھے۔سیاہ کردار کے مالک ایسے شخص کو خلیفہ وقت اور امیر المؤمنین تسلیم کرنا بھلا نواسۂ رسول ﷺ پیکر صدق ووفا سیّدنا امام حسین عالی مقامؓ کو کیونکر برداشت ہوسکتا تھا۔وہ اس وقت نائب مصطفیٰ ﷺ اور جانشینِ مولائے کائنات سیدنا علیؓ تھے۔اہلِ مدینہ ان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آیا وہ یزید جیسے بدکردار شخص کی بیعت کرتے ہیں یا نہیں۔کیونکہ اس وقت چند جید صحابہ کے درمیان صرف وہی ایک ایسی ممتاز اور نمایاں ترین شخصیت تھی جو امتِ مسلمہ کے لیے نمونہ عمل اور مینارۂ نور ثابت ہوسکتی تھی۔سیدنا امام حسین عالی مقامؓ نے ساری امت کی لاج رکھتے ہوئے باطل اور فاسق وفاجر حکمران کی اطاعت کرنے سے بابانگِ دہل انکار کیا اور حق وصداقت اور صدق ووفا کی

سر بلندی کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کا عزمِ صمیم ظاہر کر دیا۔

61ھ میں جب یزید سلطنتِ اسلامیہ پر براجمان ہوتو اس کی تکبر وتخوت سے اکڑی گردن کو یہ کب گوارا تھا کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ خانوادۂ نبوت کا روشن ترین چراغ ہی کیوں نہ ہو، اس کی بیعت نہ کرے اور اسکی سلطنت کے لیے خطرہ بنا رہے۔ اقتدار کے نشے میں چُور اور بدمست اس فاسق حکمران کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ اس کی سلطنت کے کسی کونے میں بھی اس کا کوئی مخالف موجود ہو۔ اس کے دماغ میں اقتدار کا نشہ، طاقت کا گھمنڈ اور فرعونیت کا خمار اس قدر زیادہ تھا کہ اس نے امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ سے ہر صورت میں بیعت لینے کا پروگرام بنایا مگر آپ ایک دیوار کی طرح حائل ہو گئے۔ آپ نے اپنی جرأت، حق گوئی، استقامت صبر و رضا اور جذبۂ ایثار و قربانی سے وہ لازوال روایات قائم کیں جن کی نظیر تا قیامِ قیامت نہیں ملے گی۔

آیئے یہاں اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کی جانب سے میدانِ کربلا میں جو عظیم قربانی دی گئی، اس سے ہم کیا نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اور فلسفۂ شہادتِ خانوادۂ نبوت سے ہم اپنی زندگیوں میں روشنی کا سامان کرنے کے لیے کیا سبق حاصل کر سکتے ہیں:

۱۔ سیدنا امام حسین عالی مقامؓ اگر چاہتے تو یزید کی بیعت کر کے دنیا کی ہر سہولت اور آسائش سے بہرہ مند ہو سکتے تھے۔ کونسی راحت ان کو میسر نہ ہوتی، مدینہ کی پرنور فضاؤں میں امن سکون اور آسائش سے وہ زندگی گزار سکتے تھے۔ لیکن آپ نے بے وطنی، عزیمت، تکلیف اور بھوک پیاس سے پر زندگی کو چُن لیا اور باطل کی بالادستی قبول نہ کی۔ اپنا سب کچھ لٹا دیا مگر حق کا پرچم سربلند کر دیا۔

۲۔ حق کی سرفرازی کے لیے ہر دکھ، مصیبت اور الم کا مقابلہ کرنا اور اسے رضائے الٰہی سمجھ کر صبر سے کام لینا اہلِ حق کا شیوہ ہے۔ امامِ عالی مقام سیدنا حسین علیہ

السلام نے مدینہ منورہ سے روانگی سے لیکر کربلا کی تپتی ریت پر اپنا لہو بہانے تک ہر منزل پر صبر و رضا کا دامن تھامے رکھا۔ اور کسی بھی مقام پر آپ کے لبوں پر شکوہ نہیں آیا۔ صبر کا اتنا مظاہرہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔

۳۔ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد کرنا، اس پہ آنے والی مصائب پر صبر کا مظاہرہ کرنا اور پھر اس مشن پہ استقامت اور اولوالعزمی سے قائم رہنا امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کا ہی امتیاز ہے۔ بے وطنی کی کیفیت، راستے کی تکلیفیں، بھوک پیاس کی شدت، بچوں اور جوانوں کی شہادت، خواتین اہلِ بیت کی بے بسی اور آہ و زاری سب کچھ دیکھا، اسے برداشت کیا مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائی۔ اور آپ استقامت کا کوہ گراں بن کر ثابت قدم رہے۔ یہی وہ دستارِ عظمت ہے جو کسی اور کے سر پر اتنی آب وتاب سے نہ سج سکی۔ اور صرف آپ کے سر اقدس کی زینت بنی۔

۴۔ تقویٰ وہ بنیادی وصف ہے جو ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد مومن کی اولین متاع عزیز ہے۔ سیدنا امام عالی مقامؓ اپنے وقت میں اہلِ تقویٰ کے امام تھے۔ ارکانِ اسلام کی پاسداری، عباداتِ ربانی میں خشوع وخضوع اور اخلاق وکردار کے تمام محاسن آپ کی شب وروز کی زندگی میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ آپ جسمانی طور پر اپنے نانا جان سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کا مظہر تو تھے ہی سیرت وکردار میں بھی امام عالی مقامؓ مظہر ذاتِ مصطفوی ﷺ تھے۔ یہی وہ تقویٰ تھا جو آپ کو اس بات پر استقامت دیتا تھا کہ بدکردار، فاسق و فاجر شخص کی حکمرانی کیونکر تسلیم کی جاتی؟ اگر آپ جیسا متقی انسان فسق وفجور سے آلودہ حکمران کے آگے جھک جاتا تو پھر حق کا علم کیسے بلند رہ سکتا تھا؟

۵۔ سیدنا امام عالی مقامؓ جنگ وجدال اور کرب وابتلا کی آگ میں سلگتی، تڑپتی اور جھلستی

دنیا کو امن ومحبت، سکینت اور راحت کی دولت سے آشنا کرنے والے نبی رحمت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نائب تھے۔آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ جیسی پرامن بستیوں کو بدامنی، اور انتشار کی آگ میں جھونک دیا جائے۔وہ خود بے وطن ہو گئے، قدم قدم پر سامنے آنے والی مصیبتوں کو گلے لگا لیا لیکن کوشاں رہے کہ امن کی فضا برقرار رہے۔آپ کربلا کے میدان میں بہتّر افراد اور خاندانِ اہلِ بیت کی خواتین کے ہمراہ بے سروسامانی کے عالم میں اور بالکل نہتے خیمہ زن ہیں۔ یہ کس طرف اشارہ ہے؟ یہی نا کہ آپ جنگ وجدل یا قتال نہ چاہتے تھے، امن وسکون کے طلبگار تھے۔مگر حق کی قیمت پر نہیں۔

٦۔ حق کی سربلندی کے لیے ہجرت کرنا انبیاء کرام کا شیوہ رہا ہے۔خود ہمارے پیارے آقا ﷺ نے مکہ معظّمہ کو چھوڑا جو آپ کا آبائی شہر تھا اور کئی سو میل دور یثرب کی وادی میں ڈیرہ جما لیا۔ظاہر ہے گھر میں آرام، راحت اور سکون سے قیام پذیر رہنے کی نسبت بے وطن ہو کر مسافری کی اور بے وطنی کی تکالیف کو برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔حضرت امام حسینؓ نے ہجرت کی روایت کو قائم رکھا اور حق کی عظمت وسرفرازی کے لیے آنے والی ہر مصیبت اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

٧۔ امام عالی مقامؓ نے کربلا کے بے آب وگیاہ میدان میں اپنا سر قربان کر دیا اور اپنا پورا کنبہ لٹا دیا لیکن کسی مقام پر نماز جیسے بنیادی رکن اسلام کو ترک نہ کیا۔جس وقت آپ کا سر تن سے جدا کیا گیا آپ اس وقت بھی سر کو سجدے میں جھکائے ہوئے اللہ کے حضور حاضر تھے۔

اسی طرح جب سر نیزے کی نوک پر سوار تھا، آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ ہے وہ سبق جو واقعہ کربلا سے ہمیں ملتا ہے کہ نماز کسی بھی حالت میں ترک

نہ کیا کرو اور قرآن سے رابطہ رکھو خواہ سر نیزے کی نوک پر اٹھایا ہوا ہو۔سبحان اللہ!

٨۔ اپنی جان سے لگاؤ اور اولاد سے محبت انسانی فطرت کی کمزوری ہے اور یہ دونوں چیزیں بسا اوقات اپنے فرائض کی ادائیگی میں حائل ہو جاتی ہیں۔لیکن امام حسینؓ نے عاشورہ کے دن یہ ثابت کر دیا کہ حق کی سربلندی کے لیے اگر اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑے یا اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو خالقِ حقیقی کی رضا اور خوشنودی کی خاطر یہ سب کچھ روا ہے اور ہرگز مہنگا سودا نہیں ہے۔

٩۔ ظاہر داروں اور دنیا کی محبت میں گرفتار لوگوں کی نظر مادی نتائج اور ظاہری کامیابیوں پر ہوتی ہے۔مگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کا مقصد اور مشن نتائج کی پرواہ کئے بغیر محض اعلائے کلمتہ الحق ہی ہوتا ہے۔سیدنا امام پاکؓ کو پتہ تھا کہ ان کا پاک خانوادہ ایک ایک کر کے قربان ہو رہا ہے۔ان کی خواتین بے آسرا رہ جائیں گی مگر وہ اپنی جان، مال اور اولاد کو قربان کر گئے۔قطع نظر اس بات کے کہ اس وقت ظاہراً یزیدی افواج کامیاب ٹھہریں۔لیکن اسی قربانی کا ثمر ہے کہ آج اسلام کا گلشن ہرا بھرا ہے۔

؎ قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

١٠۔امام عالی مقامؓ کے ہمراہ جو اہلِ حق کا مختصر سا کارواں تھا، وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھے آپ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔وفا اور الفت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔مگر امام حسینؓ نے ان کو واپس پلٹ جانے کا موقع فراہم کرنے کے لیے ایسا اہتمام کیا کہ روشنی بجھا کر انہیں کہا کہ جو اپنے گھر یا وطن کی جانب پلٹنا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔روشنی گل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی جانا چاہے تو اسے کوئی خفت محسوس نہ ہو گویا امام حسینؓ نے اہتمام کیا کہ دوسروں کی عزتِ نفس نازک تر موقعہ

پر بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

۱۱۔ واقعہ کربلا میں قافلہ حسینی کی خواتین نے جس جرأت ،استقلال، صبر ورضا، اور ثابت قدمی سے مردوں کا ساتھ نبھایا وہ تاریخ کا سنہرا ورق ہے۔انہوں نے اپنے عزیز واقارب کو امام پاکؑ پر نثار کر دیا مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، ماتم نہ کیا، بال نہ کھولے اور گنواروں کی طرح بین نہیں ڈالے۔ یہ ہے وہ اعلیٰ کردار جو خواتینِ اہلِ بیت نے ہمارے لیے نمونۂ عمل چھوڑا ہے۔

یہ ہیں وہ لازوال اور بے مثال موتی جو واقعہ کربلا کے مطالعہ سے ہمارے دامن تمنا میں منبعِ نور بنتے ہیں۔اور ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ دورِ حاضر میں بھی اگر حق کی سرفرازی، باطل کی سرکوبی اور صبر واستقامت کی روایات کی پاسداری کا عزم ہے تو پھر امام عالی مقام سیّد الشہداء علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، انکی تعلیمات کو اپنا لو، ان کی حیاتِ طیبہ اور شہادتِ عظمیٰ سے گوہر مراد چن لو اور اپنی زندگی کو فروزاں کر لو۔ تاکہ حسینی انوار سے تمہارے ظاہر و باطن میں اجالا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فلسفہء شہادتِ امام عالی مقامؑ سے فیضیاب ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین



سلطان الہند غریب نواز

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

ایک انگریز مورخ کا قول ہے کہ ایک ہستی ایسی ہے جو پورے ہندوستان پر حکمرانی کر رہی ہے اور وہ ہستی ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس کا مشاہدہ چشمِ دنیا صدیوں سے کرتی آ رہی ہے۔ آپ کے آستانۂ عالیہ پر سرِ عقیدت جھکانے والوں میں مسلم، غیر مسلم، سکھ اور ہندو سبھی شامل ہیں۔ یہ مقام ارفع آپ کو اس محبت، الفت، رواداری، مساوات، حلم، صبر ورضا اور عزم اور استقلال کے بدلے میں ملا ہے جس کا مظاہرہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں کیا۔ آپ کی تبلیغ واشاعت اور انسانیت سے پیار اور محبت کی بدولت اسلام کی خوشبو چاروں جانب پھیل گئی۔ معاشرتی جور و جفا، سماجی تشدد، نفرت، انتقام اور مصائب و آلام کے مارے لوگ آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور امن و آشتی، محبت، سعادت، مساوات اور رواداری کے شجرِ سایہ دار کے نیچے آ گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ عظیم پاک و ہند کی سرزمین پر حق وصداقت کے آفتاب کی مانند ہے، جس کی ضیاء پاشیوں سے اکنافِ عالم میں اجالا ہوا اور جن کا فیض آج بھی اسی طرح جاری وساری ہے جیسا آپ کی حیاتِ طیبہ میں سب کو ملتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت 536ھ بمطابق 1141ء میں افغانستان کے علاقہ سیستان کے شہر چشت میں ہوئی۔ آپ

حسینی سید تھے اور حضرت امام جعفر صادقؓ کی نسل میں سے تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید غیاث الدین حسن ہے جو خود بھی نہایت نیک، پارسا اور صالح انسان تھے۔ ان کے وصال کے بعد آپ ایران کے علاقے سنجر میں آ گئے جہاں آپ کی پرورش ہوئی۔ آپ کے والدین کا وصال اس وقت ہو گیا جبکہ آپ پندرہ برس کے نوجوان تھے۔ آپ دورِ طفلی ہی سے اپنے خالقِ حقیقی سے لَو لگائے رکھتے تھے۔ دنیاوی کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کی بجائے آپ نماز اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کی گزر اوقات ایک چھوٹی سی چکی اور باغ سے ہوتی تھی جو آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ ایک روز آپ اپنے باغیچے کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ ایک صوفی بزرگ حضرت شیخ ابراہیم قندوزی ادھر تشریف لائے۔ جواں سال معین الدین نے ان کی خدمت میں پھل پیش کئے تاکہ تناول فرمائیں۔ انہوں نے خوش ہو کر روٹی کا ایک ٹکڑا دیا جسے کھا کر آپ کے قلب و روح روشن ہو گئے اور آپ نے تجلیات و انوار کی بارش کا نظارہ کیا۔ ان کیفیات سے فیض پا کر آپ نے اپنی جائیداد کو چھوڑا اور تمام مال و متاع غرباء میں تقسیم کر کے دنیا کے سفر پر روانہ ہو گئے تاکہ معرفت و حقیقت کی دنیا میں غوطہ زنی کر سکیں۔ سب سے پہلے آپ بخارا پہنچے اور حضرت شیخ المشائخ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید ہوئے۔

ثمر قند اور بخارا اس دور میں علومِ اسلامی کے بہترین مراکز تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور کے بہترین علماء اور اساتذہ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے تمام بڑے بڑے مدارس اور علمی مراکز کا دورہ کیا۔ اور اپنی دینی اور روحانی تعلیم کا سلسلہ مکمل کیا۔ بعد ازاں آپ اپنے مرشدِ کامل حضرت شیخ خواجہ عثمان ہارونی کی رفاقت میں شرقِ اوسط کے ممالک کا دورہ کرتے ہوئے حرمینِ شریفین کی زیارت کے لیے پہنچے۔ اس عظیم روحانی سفر کے دوران آپ بغداد شریف

میں غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور اکتسابِ فیض کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدِ کامل حضرت عثمان ہارونی نے 582ھ/1186ء میں ان کو اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا۔

583ھ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت اور حاضری کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ مدینہ منورہ میں سرکارِ دوعالم حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے (رؤیا صالحہ کے ذریعہ) آپ کو ہندوستان کے شہر اجمیر میں جا کر فریضۂ تبلیغ کا حکم صادر فرمایا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کو بارگاہِ رسالت سے حکم ملا کہ اے معین الدین! تم میرے دین کے مددگار ہو۔ میں تمہیں ملکِ ہندوستان جانے کا حکم دیتا ہوں جہاں باطل کے اندھیروں کا راج ہے۔ اور کفر و شرک کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ تم اجمیر جاؤ اور وہاں اسلام کا نور پھیلاؤ۔

یہ حکم سن کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے مگر حیران بھی کہ یہ اجمیر شہر کہاں ہے؟ کیونکہ وہ دور میڈیا یا ابلاغ عامہ کا دور نہ تھا۔ لوگ پیدل سفر کیا کرتے تھے اور دور دراز کے علاقوں یا ملکوں میں کوئی آسان رابطہ بھی نہ تھا۔ اسی اثناء میں ان کی آنکھ لگ گئی سرورِ دوعالم ﷺ خواب میں تشریف لائے اور ان کو اجمیر کا شہر، قلعہ اور اس کا محل وقوع دکھایا۔ پھر ان کو ایک انار عطا کیا جو جنت کے پھلوں میں سے ایک تھا۔ یہ حکم پا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فوری طور پر اجمیر کے لیے روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ سے اجمیر شریف کو جاتے ہوئے راستے میں لاہور پہنچے تو کئی ماہ تک مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کے احاطہ میں معتکف رہے اور روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ یہیں آپ نے وہ مشہور زمانہ شعر کہا، جواب بھی زبان زدِ عام ہے۔

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

لاہور سے براستہ دہلی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر پہنچے۔ آپ کے ہمراہ چالیس درویشوں کا کارواں بھی تھا۔ جو نگاہِ خواجہ سے فیض پا کر خود بھی ولایت کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اجمیر کا حکمران پرتھوی راج آپ کی آمد سے پریشان تھا کیونکہ اس کی والدہ نے اسے بتا رکھا تھا کہ ایک صوفی بزرگ آ کر اس کی سلطنت کو ختم کر دے گا۔ اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت نے ایک میدان میں درختوں کے نیچے ڈیرہ جمایا تو راجا کے ساربانوں نے آ کر منع کیا کہ یہاں تو راجا کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔ آپ مجبوراً اٹھے اور فرمایا کہ اچھا راجا کے اونٹ بیٹھتے ہیں تو وہیں بیٹھے رہیں گے۔ اور آپ نے کچھ آگے جا کر قیام کیا۔ شام کو اونٹ چراگاہ سے واپس آئے تو ایسے بیٹھے کہ وہیں جم گئے۔ راجا کے افسروں نے اسے صورتِ حال بتائی تو اس نے کہا کہ اسی درویش کے پاس جا کر عرض کرو۔ چنانچہ ان کی درخواست پر آپ نے کہا اچھا جاؤ اونٹ کھڑے ہو گئے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔

پورا راجستھان ہندوؤں کے مندروں کے لیے مشہور تھا۔ جہاں دور دور سے پجاری اور زائرین آتے تھے۔ راجا کا اپنا مندر بھی بہت بڑا تھا جہاں کا پروہت سادھو رام تھا۔ وہ تمام پجاریوں کا سردار تھا۔ راجا کے کہنے پر وہ خود اور دیگر تمام بڑے پجاری بھی جمع ہوئے اور روحانی طور پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئے۔ مگر آپ کے ایک ہی اشارہ سے سب تڑپ اٹھے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ والئ ہند خواجہ ہند الولی غریب نواز لجپالؒ کی بڑی فتح تھی۔ جس نے برِصغیر میں اسلام کی روشنی پھیلنے کا راستہ ہموار کر دیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مشن مکمل کرنے کے

بعد 6 رجب 627 ھ بمطابق 21 مئی 929 ء پیر کی شب وصال فرمایا۔ آپ کی جبین اقدس پر یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ اللہ کے حبیب ہیں اور اللہ کی محبت میں فوت ہوئے۔

روایات کے مطابق حضور خواجہ غریب نواز کے تین بیٹے تھے۔ جن کے نام خواجہ فخر الدین، خواجہ حسام الدین اور خواجہ ضیاء الدین تھے۔ جو علم و معرفت کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ ولایت آپ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے آگے بڑھا۔ جو صرف چودہ برس کی عمر میں آپ کے مرید ہو گئے تھے اور آپ سے خوب اکتسابِ فیض کیا۔

سلسلہ چشت کی بنیاد شہر چشت میں خواجہ محشا الدینوریؒ نے رکھی تھی۔
حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسبت اس طرح سے ہے:

معین الدین حسن، عثمان ہارونی، حاجی شریف زندانی، مودود چشتی، ابی یوسف ابی محمد، ابنِ حمد، ابو احمد، ابواسحاق شامی، امین الدین ابی ہبیرہ البصری، سدید الدین حذیفۃ المرعشی، ابراہیم ادھم بلخی، ابوالفیض فضیل بن عیاض، ابوالفضل عبدالواحد، حسن البصری، مولا علی بن ابوطالب، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ سے فیض پانے والوں میں امیر و غریب، حکمران و عوام، مسلم و غیر مسلم سبھی شامل ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ مبارک مرجعِ خلائق ہے۔ عرس کے موقع پر لاکھوں زائرین حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کی درگاہ کے احاطے میں بہت سی عمارتیں اور مراکز ہیں۔ مسجدیں، مسافر خانے، دروازے اور لنگر خانے وغیرہ مالوے کے حکمرانوں، مغل بادشاہوں، رئیسوں، سوداگروں اور صوفیاء نے گزشتہ صدیوں میں تعمیر کرائے۔ محمد بن تغلق پہلا حکمران تھا جس نے آپ کے درِ دولت پر آ کر حاضری دی۔ شہنشاہِ اکبر کے دور میں آپ کا آستانہ عالیہ ہند کے سب سے بڑے آستانے کی

حیثیت حاصل کر چکا تھا۔خواجہ معین الدینؒ کی شخصیت صدیوں پر چھائی ہوئی سب سے عظیم ہستی ہے۔جس کی تبلیغ و اشاعت سے لاکھوں کفار مشرف باسلام ہوئے۔اور ان کے قلوب میں دینِ حقیقی کی جلوہ گری ہوئی۔ ہندوستان کے بت کدوں میں کلمۂ حق کا بلند کرنا اور پھر شجرِ اسلام کی آبیاری کرنا آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔سلسلۂ چشت کی بنیاد برِصغیر پاک وہند میں آپ کے دستِ حق پرست سے رکھی گئی۔اور آج روحانی تزکیہ اور باطنی طہارت کے لیے کام کرنے والے تصوف کے سلسلوں میں سے سلسلہ چشتیہ سب سے بڑے سلسلوں میں سے ایک ہے۔ہمارے وطنِ عزیز میں خاص طور پر پاکپتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، بھیرہ شریف سلسلہ چشتیہ کے نمایاں مراکز میں سے ہیں۔ان خانقاہوں سے لاکھوں سالکان راہِ طریقت اپنے من کی دنیا میں روشنی کے دیپ جلاتے ہیں اور اندر کا جہان روشن کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی توجہ فقط دین کی ترویج و اشاعت اور مریدین و متوسلین کی روحانی طہارت پر مرکوز رکھی۔حکمرانوں سے اپنے آپ کو دور رکھا اور مال و جاہ کی کشش سے بچائے رکھا۔

آپ نے ایسا انقلاب بپا کیا کہ برعظیم پاک وہند میں اسلام کی بہار آ گئی۔کفر وظلمت کی خزاں دور ہوگئی۔آپ کا حسن اخلاق، حلم، بردباری، صبر، انسانیت سے محبت، مساوات اور سب سے شفقت کا برتاؤ ہی آپ کا ہتھیار تھا۔ تیر وتفنگ یا شمشیر وسناں کے زور پر آپ نے تبلیغی کام نہیں کیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اسلام محبت اور امن کے زور سے پھیلا نہ کہ بزورِ شمشیر۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحبِ دل، متحمل مزاج، بردبار، حلیم، وسیع المشرب اور نہایت غمگسار انسان تھے۔آپ جذبۂ انسانیت

والفت کے پیامبر تھے۔نفرت، عدم برداشت، ظلم و جبر اور غصہ کے جذبات سے آپ کو نفرت تھی۔آپکا مشن محبت اور رواداری پر استوار تھا اور خدمتِ خلق آپ کا شعار تھا۔ آپ کی تربیت کا نچوڑ یہ تھا کہ اپنے اندر دریا کی فیاضی، سورج جیسی گرم جوشی، اور زمین جیسی مہمان نوازی پیدا کرو۔آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بھی سرانجام دیا۔ مگر صرف ایک کتاب ''انیس الارواح'' ہم تک دستیاب ہوئی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج بھی ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں، چند ایک تعلیم قارئین کرام کے ذوق مطالعہ اور عمل پیرا ہونے کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

☆ سالک کے لیے لازمی ہے کہ کم کھائے تاکہ روزہ رکھ سکے، کم سوئے تاکہ عبادت کر سکے، کم بولے تاکہ زیادہ دعائیں اور مناجات کر سکے۔

☆ پہلے خوف پھر امید اور پھر محبت کا مقام آتا ہے۔خوف کا مطلب ہے گناہوں سے بچنا تاکہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہا جا سکے۔امید کا مطلب ہے زیادہ عبادت کرنا تاکہ جنت کا حصول ممکن ہو، اور غور وفکر اور مجاہدہ کرے تاکہ رضائے الٰہی حاصل کر سکے۔

☆ صالح آدمی کی صحبت نیک کام کرنے سے بہتر ہے۔جبکہ برے آدمی کی صحبت برے کام کرنے سے بدتر ہے۔

☆ مفلوک الحال اور مظلوم کی بات سنو، اس سے ہمدردی کا اظہار کرو، ان کے لیے دعا کرو، اور ان کو تحفے تحائف دو، آپ نے فرمایا کہ کسی کی غمگساری اور ہمدردی کرنا اللہ کی عبادت کا ہی ایک ذریعہ ہے، صورت ہے۔

☆ درویش کے لیے دس چیزیں ضروری ہیں۔حق کی تلاش، مرشد کی تلاش، سب کے لیے احترام، اللہ کی اطاعت، سب سے پیار، تقویٰ، استقامت، کم

کھانا اور کم سونا، نماز اور روزہ، ترکِ نفس اور ثابت قدمی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور آپ کے فیوض و برکات کی بارانِ رحمت سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)



حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ

ع گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

مغل حکمران جلال الدین اکبر کا دورِ حکومت برِ عظیم پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت ابتلاء، مصیبت اور آزمائش کا دور تھا۔ اسلام کی شمع جسے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ جیسے صوفیاء کرام نے نہایت محنت و کاوش سے فروزاں کیا تھا، آج کفر و شرک کی آندھیوں کے رحم و کرم پر تھی۔ اسلام کی اعلیٰ اقدار اور روایات کو مٹانے اور کفر و ظلمت اور بے دینی والحاد کی بالادستی کے لیے پوری حکومتی مشینری مصروفِ عمل تھی۔ اکبر بادشاہ نے بھرپور تحریک شروع کی کہ مسلمانوں کو گمراہ کر دے یا انہیں اسلام سے بیزار کر دے۔ بادشاہ کی پوری انتظامیہ، وزراء اور اس کے دور کے علماءِ سُوء نے بھی متحد ہو کر اس ناپاک مشن میں حصہ لیا۔ جس کے چند احکامات اس طرح سے تھے۔ عربی زبان کا پڑھنا اور لکھنا جرم قرار دے دیا گیا تاکہ مسلمان قرآن و سنت اور فقہ کے علوم سے کماحقہ واقفیت نہ حاصل کر سکیں۔ داڑھی کا مذاق اڑایا جاتا جو شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ سؤر اور کتے کو پاک اور حلال قرار دے دیا گیا۔ زنا کاری کی حرمت اور سزا ختم کر دی گئی۔ شراب اور سود کو کھلے عام حلال قرار دے دیا گیا۔ غسلِ جنابت اور ختنہ کی رسم کو ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے ارکانِ اسلام کو فضول اور خلافِ عقل قرار دے دیا گیا۔

اکبر بادشاہ کے اس خود ساختہ ''دین الٰہی'' کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے والی اور اس کی سلطنت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی پہلی عظیم شخصیت تھی، حضرت مجدد

الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی۔آپ نے حکومتی مشیروں ، وزیروں اور علماءِ سُوء کو مخاطب کر کے واشگاف الفاظ میں کہا۔''بادشاہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی ہوگیا ہے۔میری طرف سے بادشاہ کو کہہ دو کہ اس کی بادشاہی اسکی طاقت،اس کی فوج سب ایک دن مٹ جانے والی ہے۔وہ توبہ کرے،اللہ اور رسول ﷺ کا تابعدار بنے،ورنہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا انتظار کرے''۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ہی شخصیت تھی،جن کی تجدیدی کاوشوں سے دینِ اسلام کا گلشن سرسبز وشاداب ہوگیا۔اور کفر وظلمت اور بددینی والحاد کی خزاں اپنی بساط لپیٹ کر چلتی بنی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام احمد اور والد گرامی کا نام حضرت شیخ علاؤالدین عبدالاحد تھا۔آپ کے والد نہایت متقی،پرہیزگار اور شریعت وطریقت کی دنیا کے بے تاج بادشاہ تھے۔انہوں نے وقت کے عظیم شیخِ طریقت حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حکم پر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ رکن الدینؒ سے روحانی تربیت اور منازل سلوک وطریقت طے کیں۔اور سلسلۂ عالیہ قادریہ وچشتیہ میں خرقۂ خلافت سے فیضیاب ہوئے۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ 14رشوال المکرّم 971ھ 1564ء کو پیدا ہوئے۔آپ کی ولادت کے حوالے سے مختلف اکابر اولیاءِ کرام اور صوفیاءِ کرام نے بشارتیں دے رکھی تھیں۔جن میں حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی،حضرت شیخ احمد جامؒ،حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور شیخ عبداللہ سہروردی شامل ہیں۔

حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک جنگل میں مراقبہ کیا۔آپ نے ایک نور کا مشاہدہ کیا جو مسلسل بڑھ رہا تھا۔آپ پر یہ منکشف ہوا کہ ایک شخصیت پانچ سو سال بعد پیدا ہوگی،جس کے فرزندوں اور خلفاء کو بارگاہِ ربانی میں

خصوصی مقام حاصل ہوگا۔آپ نے اپنا کرتہ اپنی اولاد کو عطا کیا جو نسل در نسل ہوتا ہوا حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے توسط سے آپ تک پہنچا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والدِ گرامی شیخ عبدالاحدؒ سے حاصل کی۔ان کے ساتھ ساتھ مولانا کمال کشمیری،مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول چشتیؒ سے بھی استفادہ کیا۔آپ زیارتِ حرمین اور حج کے ارادہ سے سرہند سے نکلے تو دہلی میں قیام کے دوران قطب الاقطاب خواجۂ خواجگان حضرت باقی باللہؒ کا چرچا سنا اور ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ان سے ملاقات ہوئی۔تو دنیا ہی بدل گئی۔خواجہ صاحب نے آپ کو اپنے پاس روک لیا اور تین ماہ کے قلیل عرصہ میں علم ومعرفت کی وہ منزلیں طے کرادیں جو عام سالکین سالہا سال میں طے نہیں کر سکتے۔کیونکہ وہ حضرت خواجہ خواجگان کی مراد تھے اور آپ کے ذریعے ان کا فیض و برکات خطۂ ارض پر پھیلنے والا تھا۔یہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی نگاہِ کیمیا اثر کا کمال تھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ظلمت کدۂ ہند میں اجالوں کے نقیب بن گئے۔بدعقیدگی، الحاد،لادینیت اور بدعات کا جو طوفان اٹھتا ہوا اسلام کے سفینے کو ڈبونے کے لیے بڑھ رہا تھا،اس کے آگے دیوار بن گئے۔اور اس انداز میں ملتِ اسلامیہ کے سرمایۂ ایمان کی حفاظت کی کہ اسلام کا پرمژدہ شجر پھر سے سرسبز وشاداب ہوگیا۔

آپکی انہی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا تھا:''آج اگر مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں مدارس سے قال اللہ وقال الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں ذکر وفکر کی جو مجلسیں سجتی ہیں،اور قلب وروح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جارہی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا احسان عظیم ہے۔اگر حضرت مجدد الف ثانیؒ اس الحاد

وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور عظیم تجدیدی کارنامہ سرانجام نہ دیتے تو مساجد میں اذانیں ہوتیں نہ مدارس میں قرآن وحدیث اور دیگر علومِ دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ کے روح افزاذکر سے زمزمہ سنج ہوتے۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ (سیرت مجددالف ثانی: تقدیم صفحہ 10)

حضرت مجددالف ثانیؒ اپنے مرشدِ کامل حضرت خواجہ باقی باللہ سے فیوض وبرکات کی دولت اپنے دامن میں سمیٹ کر واپس سرہندتشریف لائے اورعوام کی روحانی تربیت میں مصروف ہوگئے۔آپ نے تین بار اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دی۔آخری بار 1603ء میں حضرت مجددالف ثانیؒ مرشدِ کامل کی زیارت کے بعد لاہور آگئے اور یہاں علماء وصوفیاء کرام سے ملاقاتیں شروع کیں۔یہیں پر آپ کوحضورخواجہ باقی باللہؒ کے وصال کی خبر ملی۔آپ لاہور سے سیدھے دہلی چلے گئے۔

حضرت مجددالف ثانیؒ کو اپنے مرشد سے بہت محبت اورعقیدت تھی۔ حضورخواجہ باقی باللہؒ بھی آپ سے خصوصی شفقت فرماتے۔ان کی نظر میں حضرت مجددالف ثانی کا مقام بہت اعلیٰ وارفع تھا۔انہوں نے اپنے ایک مرید کے نام خط میں لکھا:

''سرہند میں شیخ احمد نامی ایک صاحب ہیں جن کاعلم زیادہ اورعمل قوی ہے،چندروز یہ فقیران کے ساتھ رہااوران دنوں میں ان کے متعلق بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے تمام جہان روشن ہوگا''۔

دنیا نے دیکھا کہ آپ کی روحانی تربیت اور فیوض وبرکات اورآپ کے مکتوبات ورسائل کی روشنی سے ایک زمانہ منورہوا۔ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ خواجہ باقی

باللہ نے اپنے فیوض عالیہ سے حضرت مجددالف ثانیؒ کے دامن کو مالا مال کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے مریدین کی ایک جماعت کوسرہند جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے (سلسلہ عالیہ نقشبندیہ) کا یہ بیج بخارااورثمرقند سے لاکر ہندوستان کی بابرکت زمین میں بویا۔روحانی تربیت حاصل کرنے والوں کے لیے ہماری عملی سرگرمی اس وقت تک تھی جب تک حضرت شیخ احمد سرہندی کی روحانی تربیت مرتبہ کمال کونہیں پہنچی تھی۔جب ہم ان کی روحانی تربیت سے فارغ ہوگئے تو طالبانِ طریقت کوان کے حوالے کردیا''۔

حضرت مجددالف ثانیؒ آگرہ تشریف لے جا کر وہاں علم وتدریس میں مصروف ہوگئے۔آگرہ ان دنوں علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔یہیں پرآپ کی ملاقات اکبر بادشاہ کے درباریوں میں سے دومشہورعلماءفیضی اورابوالفضل سے ہوئی۔ان سے بہت سی ملاقاتیں رہیں۔وہ آپ کے علم وفضل سے بے حد متاثر ہوئے۔آگرہ میں جب حضرت مجددالف ثانیؒ کا قیام طویل ہوگیا تو آپ کے والدِ گرامی آگرہ تشریف لائے اورآپ کوسرہند لے جانے کے لیے ساتھ لے گئے۔راستے میں تھانیسر کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح فرمایا۔اورآپ واپس سرہندتشریف لاکرعلمی وروحانی مشاغل میں مصروف ہوگئے۔

ان دنوں برعظیم پاک وہند میں اکبر بادشاہ کے اقتدار کا سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔اس کی طاقت اورقوت کے آگے کسی کو پر مارنے کی ہمت نہ تھی۔شاہی قوت اور رعونت کے باعث اس نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے الحاد،بے دینی اور بدعات پرمشتمل ایک نیا دین لاگوکرنے کی کوشش کی۔اس کے ان غیرشرعی اورلادینیت پرمبنی ناپاک عزائم کے خلاف صدائے حق بلند

کرنے کی سعادت حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی کے حصے میں آئی۔آپ نے اتنے منظّم اور جرأت مندانہ انداز میں اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ اس کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوگیا۔آپ سے علمی مقابلہ کرنے کے لیے اس نے چیلنج کیا، جسے آپ نے منظور کیا۔مقررہ مقام پر شاہی خیمہ سج گیا۔آپ بھی اپنے خدام کے ہمراہ اپنے سادہ سے خیمہ میں تشریف لے آئے۔گفتگو شروع ہونے سے قبل ہی ایسی آندھی آئی کہ شاہی خیمہ ٹوٹ کر گر گیا۔جس سے شاہی وفد کے لوگوں کو کافی چوٹیں آئیں۔خود اکبر بادشاہ بھی شدید زخمی ہوا اور بعد میں وہ اسی چوٹ کے باعث ہلاک ہوا۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا خیمہ اور ساتھی سب محفوظ رہے۔

شہنشاہ اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر سلطنت ہند پر براجمان ہوا تو وہ بھی اپنے باپ کی روش پر گامزن رہا۔اس کے درباریوں نے اسے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو دربار میں طلب کیا جائے اور اس انداز میں ان کی آمد کا انتظام کیا جائے کہ وہ خود بخود سجدۂ تعظیمی ادا کر دیں۔ایسا کمرہ بنایا گیا جس میں کھڑکی چھوٹی سی تھی۔اس میں سے گزرتے ہوئے سر کو جھکانا پڑتا تھا۔حضرت مجدد الف ثانیؒ تشریف لائے تو آپ نے سر کی بجائے پہلے اپنے پاؤں اندر رکھے اور پھر سر اندر کیا۔جس سے بادشاہ کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔جہانگیر نے اس توہین پر سیخ پا ہو کر آپ کو گوالیار کی جیل میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔

گوالیار کے قید خانے میں بھی آپ کے روحانی فیوض و کمالات کا سلسلہ جاری رہا۔آپ کی تبلیغ اور نظرِ کرم سے پچاس ہزار قیدیوں نے اسلام قبول کیا۔جہانگیر کے درباریوں اور مصاحبین میں بے چینی پھیلنے لگی اور بغاوت کا خطرہ سر اٹھانے لگا تو بادشاہ نے آپ کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔مگر آپ نے چند شرائط پیش کیں۔جن میں کہا گیا تھا۔کہ سجدۂ تعظیمی موقوف کر دیا جائے، شہید شدہ مساجد کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔

اوران میں اذان کی اجازت دی جائے گائے کے ذبیحہ پر پابندی اٹھائی جائے۔بدعات کو منسوخ کر کے ان کی جگہ شریعتِ اسلامی کو رائج کیا جائے۔تمام سیاسی قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے۔

جہانگیر بادشاہ نے آپ کی تمام شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں فی الفور نافذ کیا۔اور آپکے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر آپکے خدام میں شامل ہوگیا اور تاحیات وہ آپ کا تابعدار رہا، وہ کہا کرتا تھا۔''میں نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا، جس سے نجات کی امید ہو۔البتہ میرے پاس ایک دستاویز ایسی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کروں گا۔وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا۔''اگر اللہ تعالیٰ اتباعِ سنت کی بدولت مجھے جنت عطا کرے گا تو تیرے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گا''۔(شیخ سرہند:ص:166)

احادیث کے مطابق ہر سو سال کے بعد ایک ایسا مردِ قلندر اور صاحبِ علم وفضل تشریف لاتا ہے جو دینِ اسلام میں در آنے والے غیر شرعی عوامل اور بدعات کی بیخ کنی کرتا ہے اور تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔اسے مجدد کہا جاتا ہے۔اسی طرح ہزار سال کے بعد ایک مردِ عظیم آتا ہے جو اپنے فیوض و برکات اور علمی و قلمی جہاد سے شجرِ اسلام کو پھر سے سرسبز و شاداب کرتا ہے۔اور امت مسلمہ کو جتنا بھی فیض پہنچتا ہے اسی کے واسطے سے ملتا ہے۔چاہے وہ عام مسلمان ہوں یا قطب، ابدال اور اولیاء کرام کی جماعت ہو۔حضرت مجدد الف ثانیؒ اسی منصب پر فائز ہوئے۔آپ نے علمی، قلمی اور روحانی جہاد سے اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو فزوں تر کر دیا۔اور اسلام کا پرچم پھر سے شان و شوکت سے لہرانے لگا۔سب سے پہلے عظیم مفسر، محقق اور عالم دین علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے آپ کو مجدّد الف ثانیؒ کے لقب سے یاد کیا۔

آپ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔آپ نے اپنے خدام اور

مریدین کی بہت مقامات پر دادرسی کی۔آپ کی کرامات کا تذکرہ کرنے کے لیے ایک الگ مضمون درکار ہے۔تاہم آپ کی تاقیامت جاری وساری رہنے والی دو کرامات اب بھی موجود ہیں۔اول آپ کے مکتوبات جو علم ومعرفت کا خزینہ ہیں۔ان کے مطالعہ سے عقائد وعمل میں اصلاح کا کام ہمیشہ جاری رہے گا۔دوسری آپ کے صاحبزادگان کے ذریعے سے روحانی فیوض کا سلسلہ جو آج بھی اسی انداز میں جاری وساری ہے۔آپ کے سات صاحبزادے اور تین بیٹیاں تھیں۔بیٹوں میں حضرت خواجہ محمد صادق ؒ ،حضرت خواجہ محمد سعیدؒ،حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے نام معروف ہیں۔ان سب کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے فریضۂ تبلیغ دین اور احیائے اسلام بخوبی ادا کرنے کے بعد تریسٹھ(63) سال کی عمر میں 28/صفر 1034ھ 1625ء کو وصال فرمایا اور سرہند شریف میں مدفون ہیں۔جہاں آپ کا مزارِ اقدس آج بھی مرجعِ خلائق اور منبعِ فیوض وبرکات ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ اقدس میں بہت سے فضائل،کمالات اور خصائص مجتمع تھے۔جن کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

☆ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآنی علوم ورموز سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔علمِ حدیث میں آپ کا مقام محدثین کی جماعت سے کسی بھی طور کم نہیں ہے۔فقہی مسائل میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔علم کلام میں اجتہادی منصب پر فائز تھے۔روحانی علوم اور لدنّی فیوض میں آپ نے حضرت مولا علیؓ اور حضرت خضر علیہ السلام سے روحانی طور پر اکتساب کیا۔طلب علم وتدریس کے لیے آپ نے دور دراز کے سفر کیے۔آپ معرفت کی دنیا کے بے تاج بادشاہ تھے تو تصوف کے میدان میں وہ کمالات دکھائے ہیں جن کا جواب

نہیں۔

☆ عشقِ رسول ﷺ آپ کی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔خود فرماتے ہیں۔''حضورِ انور ﷺ کی محبت اس طرح سے غالب ہے کہ حق سبحانہ کو اس واسطے محبوب رکھتا ہوں کہ وہ محمد(ﷺ) کا ربّ ہے۔

(مبدأومعاد:37)

☆ عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے آپ کثرت سے درودِ پاک پڑھا کرتے اور احباب وسالکین کی محفل سجا کر درود وسلام کے نذرانے اپنے آقا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا کرتے۔

☆ اتباعِ شریعت،تصوف ومعرفت کا بنیادی تقاضا اور عشقِ رسول ﷺ کا مظہر ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ شریعت کے اتباع اور سنتِ رسول ﷺ پر مکمل عمل پیرا ہونے پر زور دیتے تھے۔آپ کے مکتوبات ورسائل میں بھی اس امر کی جانب بہت مقامات پر زور دیا گیا ہے۔آپ خود فرماتے ہیں۔''ہم نے خود کو شریعت میں ڈھال دیا ہے اور حضورِ انور ﷺ کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں۔(حضرات القدس:170)

☆ آپ تقویٰ اور پرہیزگاری میں کمال مرتبہ کے حامل تھے۔آپ وضو بہت احتیاط اور تقویٰ سے کرتے۔آپ کی نماز کی ادائیگی کا طریقہ کار ایک کرامت کہا جاسکتا ہے۔آپکی اس احتیاط اور تقویٰ کو دیکھ کر ایک کثیر تعداد آپ کی معتقد ہوئی تھی۔

☆ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی میں سال کے پورا ہونے کا انتظار نہ کرتے بلکہ مال آنے کے فوراً بعد حساب کرتے اور زکوٰۃ ادا فرما دیتے۔نماز کی امامت خود فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت مجدد الف ثانی ؒ ریاضت و عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔نوافل کی ادائیگی اور قیام اللیل میں مصروف رہا کرتے تھے۔

☆ شانِ فقر و استغناء میں آپ مرتبۂ کمال پر متمکن تھے۔آپ کھانا بہت کم کھاتے ۔کھانے کے وقت عزیزوں، درویشوں اور خدام میں کھانا تقسیم کرنے میں گزار دیتے۔خود صرف ایک آدھ نوالہ لیتے یا صرف ذائقہ چکھنے پر ہی اکتفا کرتے۔

☆ ہمیشہ عفو و درگزر، صبر و رضا اور کم گوئی سے کام لیتے تھے۔آپ اکثر خاموش رہتے، دوسروں کی عیب جوئی یا غیبت نہ کرتے۔خدام خاموشی، ادب اور ہیبت سے آپ کے پاس بیٹھے رہتے۔کبھی تکلیف یا درد کی شدت میں بھی آہ و پکار ظاہر نہ کی۔

☆ آپ عزم و استقلال اور جرأتِ رندانہ کا پیکر تھے۔وقت کے جابر حکمرانوں کے ظلم و جبر کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔آپ نے دینِ اسلام کی سربلندی اور کفر و ظلمت کے خاتمے کے لیے قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔مگر باطل سے سمجھوتہ نہ کیا۔علامہ اقبالؒ نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے!

؎ گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

☆ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ نے حق گوئی کی جو تاریخ رقم کی اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ایک مؤرخ لکھتے ہیں:

''حضرت مجدّد نے جس سیاسی گھٹن، اور جاہ و جلال اقتدار کے ہوتے ہوئے شاہانِ وقت پر تنقید کی، وہ انہی کا حصہ تھا۔اس نازک دور میں حکومت یا

بادشاہ پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج ہے۔ذرا سی بات پر تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔بلکہ اکبر تو اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا۔(فسانہ سلطنتِ مغلیہ:130)

☆ اپنے تمام تر تقویٰ، پرہیزگاری، علم و فضل اور مقام و مرتبہ کے باوجود آپ میں عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ اپنے مرشد، بزرگانِ دین، ساداتِ کرام کا بہت ادب کرتے تھے۔تکبر، ریاکاری یا رعونت آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتی تھی۔خود فرماتے ہیں۔''عملِ صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے۔آدمی کو چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے۔اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے بلکہ اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو''۔

(حضرات القدس)

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کی تعلیمات پند و نصائح کا خزانہ ہیں اور ایک ایک جملہ علم و عرفان کے جواہر نایاب سے مزین ہے۔

آپ کے مکتوبات سالکانِ طریقت اور طالبانِ حقیقت کے لیے منارۂ نور اور منبع رشد و ہدایت ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان تعلیمات کے فیوض و برکات سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا کرے۔آمین



محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمدؒ

وہ سرتاپا عشقِ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے

1925 ء کے قرب و جوار کا زمانہ ہے، باغات کا شہر لاہور، امن، محبت، تسکین، علم وعرفان کی بستی، مخدومِ اُمم حضرت داتا گنج بخشؒ کی نگری کی ایک مسجد انوار وتجلیاتِ ربانی کا مرکز ومحور بنی ہوئی ہے۔آج کی شب داتا نگریا میں بریلی، مرادآباد اور ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بہت سے علماء ومشائخ کی کہکشاں سجی ہے۔ حزب الاحناف کے پنڈال میں علم ومعرفت کی خوشبوئیں بکھیری جارہی ہیں۔تمام سامعین پوری توجہ اور ذوق وشوق سے مہمان مقررین کے خطابات سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ان میں ایک نوجوان بھی ہے جو ایف اے کا طالب علم ہے۔دیال گڑھ گورداسپور کے ایک جاٹ خاندان کا یہ خوبرو، جواں سال اور گبھرو جوان آج علماء کرام کی زیارت اور ان کے بیانات سننے کے لیے کشاں کشاں چلا آیا ہے۔اولیاء کرام سے محبت اور دینی شغف اس کے خمیر میں موجود ہے، جسے اس کے نیک اور صالح والدین نے خوب اچھے انداز میں پروان چڑھایا ہے۔جلسہ اپنے عروج اور انتہائے کمال کی جانب بڑھ رہا ہے۔مرادآباد سے آئی ہوئی ایک عظیم ہستی مفسر قرآن صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی سٹیج سے اعلان کرتے ہیں کہ شہزادہ اعلیٰ حضرت حجتہ الاسلام علامہ حامد رضا خان بریلوی تشریف لارہے ہیں۔القاب اور آداب سن کر یہ نوجوان سوچ رہا ہے کہ یہ اعلان کرنے والی شخصیت اتنی ارفع واعلیٰ ہے تو آنے والا مہمان کیسا صاحبِ کمال ہوگا ؟اور پھر جب حجتہ الاسلام تشریف لائے تو ان کی وجاہت، جلالت، اور نورانی مکھڑا دیکھ کر وہ نوجوان ساکت ہوکر رہ گیا۔انکا رعب اور

محبت آنکھوں سے ہوتے ہوئے روح کی گہرائیوں میں اتر گئے۔اگلے دن یہ نوجوان ایک فیصلہ کر چکا تھا، وہ حجتہ الاسلام شاہ حامد رضا خاں بریلویؒ کی قیام گاہ پر پہنچا اور عرض کرنے لگا کہ میں کالج کی دنیا کو الوداع کہہ آیا ہوں، اب میں آپ کی زلف کا اسیر ہوں، آپ کی نظر کرم کا طلب گار ہوں۔اب میں دین کے بحر بیکراں سے گوہر تلاش کروں گا۔اپنی شبستان کو علومِ دینیہ کی شمع سے فروزاں کروں گا۔اپنے گلشن میں عشقِ رسول ﷺ کی بہاروں سے حیاتِ نو پیدا کروں گا، حضرت نے فرمایا کہ ایک دو دن مزید سوچ لو، پھر فیصلہ کر لینا۔لیکن یہ نوجوان کشتیاں جلا کر آیا تھا، اب واپسی کا سوال کہاں؟ چنانچہ اجازت ملی تو وہ اگلے دن بریلی کی منزل کا راہی تھا۔اس نوجوان کا نام ہے سردار محمد جسے آج زمانہ قبلہ شیخ الحدیث محدثِ اعظم پاکستان محمد سردار احمدؒ کے نام سے جانتی ہے۔

محدثِ اعظم پاکستانؒ کی شخصیت اوصافِ جمیلہ اور کمالاتِ حسنیٰ کا ایک رنگا رنگ گلدستہ تھی۔وہ عالمِ دین تھے تو ایسے کہ علم کا ایک سمندر ان کے اندر ٹھاٹھیں مارتا تھا، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ سب میں مکمل عبور حاصل تھا۔مگر علم حدیث پر انہیں جو دسترس حاصل تھی، اس کی مثال عصرِ حاضر میں ملنا محال ہے۔خطیب اور مقرر ایسے کہ گھنٹوں لگاتار خطاب کرتے رہتے مگر مجال ہے کہ کوئی سامع بھی اکتاہٹ کا شکار ہو۔ مدرّس ایسے کہ علم ومعرفت کے متلاشی شرق وغرب سے کھچے چلے آتے ہیں۔اور آپ کے بحر بیکراں سے سیراب ہوکر خود بھی علم کا دریا بن جاتے ہیں۔زہد وتقویٰ اور اخلاص کا یہ عالم کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت پر بھی عمل کرتے ہیں۔شریعت کے اتنے پابند کہ گفتار و کردار اور قول وفعل میں لحہ لحہ شرع کا پاس ہے۔سفر، حضر، تندرستی، بیماری، غمی ہو یا خوشی کسی حال میں بھی شریعت کا دامن نہ چھوڑا۔ادب واحترام کا یہ عالم کہ اپنے استادِ محترم کی جوتیاں پکڑانے کے لیے بھاگم بھاگ جاتے ہیں۔طلبا اور تلامذہ کو بھی

مولانا یا حافظ صاحب کہہ کر بلاتے ہیں۔ سادات طلباء کے لیے خصوصی اہتمام و انعام فرماتے ہیں۔ اور سب سے امتیازی وصف یہ کہ آپ ایسے عاشقِ رسول ﷺ ہیں کہ ان کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا ہر ہر فعل عشقِ رسول ﷺ کی حلاوت سے مزین ہے۔ دل ہر دم یادِ مصطفیٰ ﷺ سے روشن، آنکھیں فراقِ مصطفیٰ ﷺ میں نم، اور لبوں پر ہر گھڑی ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

لَو مدینے کی تجلّی سے لگائے ہوئے ہیں
دل کو ہم مطلع انوار بنائے ہوئے ہیں

محدثِ اعظم پاکستان کا تعلق مشرقی پنجاب کے شہر گورداسپور کے ایک قصبے دیال گڑھ سے تھا۔ آپ کے والد میراں بخش چشتی ؒ ایک سادہ، جفاکش، مخلص مگر صالح زمیندار تھے۔ والدہ انتہائی عبادت گزار، پرہیزگار اور اولیاء کرام کی محبت رکھنے والی خاتون تھیں۔ جنہوں نے حلم، رواداری، تواضع، انکساری، شفقت، غمگساری اور اخلاص کی دولت سے اپنے لاڈلے بیٹے کو مالا مال کر دیا تھا۔ شرم و حیا، متانت، سنجیدگی اور قناعت پسندی ان کی گھٹی میں شامل تھی۔

حضور محدثِ اعظم پاکستان' دیال گڑھ کی مذکورہ بستی میں 1323ھ بمطابق 1905ء میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام سردار محمد رکھا لیکن بریلی شریف میں آپ کو سردار احمد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنا نام محمد سردار احمد رکھ لیا۔ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی جو آپ کے صاحبزادے فضل رسول کی پیدائش کے بعد مشہور ہوئی۔

نائب دینِ نبیؐ سردار احمد تیرا نام
یعنی تو فضل خدا سے قوم کا سردار ہے

سیہول جٹ خاندان تھا جو اپنی روایتی شرافت، حلیمی، دیانت اور تقویٰ کے

لیے مشہور تھا۔ مشائخ کرام سے خصوصی الفت تھی۔ اکثریت کی بیعت خاندانِ چشتیہ سے تھی اور حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے خاص محبت اور لگاؤ تھا۔ آپ کے والد گرامی چوہدری میراں بخش چشتی کاشتکاری کے شعبے سے منسلک تھے۔ وہ روایتی زمیندارانہ نقائص کے برخلاف غیبت، دھونس، بددیانتی اور پانی کی چوری وغیرہ سے پاک تھے۔ ان کی پورے علاقے میں کسی زمیندار سے مخالفت یا دشمنی نہ تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نیک سیرت، متقی اور نماز روزے کی پابند خاتون تھیں۔ ان کے دل میں حضور غوث پاکؒ سے گہری اُلفت تھی۔

بچپن سے ہی حضور محدثِ اعظم پاکستانؒ نیک طبع، فرمانبردار اور دینی رجحان کے مالک تھے۔ آپ کے ماموں زاد چوہدری ناظر حسین کے مطابق آپ کی پیشانی سے بچپن سے ہی خوش بختی اور سعادت مندی کا نور چمکتا تھا۔ آپ کی والدہ یہ دعا فرمایا کرتی تھیں۔ ''تمہارا نام سردار محمد ہے، اللہ تمہیں دین و دنیا کا سردار بنائے''۔ اور ایسا ہی ہوا کہ آپ دین و دنیا میں عظمت اور سرداری کے منصب پر فائز ہوئے۔

اوائل عمر سے ہی نماز کی پابندی فرماتے۔ آتے جاتے ذکر الٰہی اور نعت خوانی کرتے رہتے۔ جس سے آپ کے دینی ذوق اور طبعی رجحان کا پتہ چلتا تھا۔ دیہاتی روایت کے مطابق کشتی، کبڈی وغیرہ میں حصہ لیتے تھے مگر ستر پوشی کا پورا خیال رکھتے۔ کیونکہ قدرتی شرم و حیا وافر مقدار میں آپ کی فطرت میں موجود تھی۔ خود فرماتے ہیں:

''تین کاموں میں مجھے بچپن سے ہی پورے علاقے میں فوقیت حاصل تھی۔ تیراکی، دوڑ اور کشتی۔ مگر میں نے ہمیشہ ستر پوشی کا خیال رکھا۔ اور کبھی بھی ایسا لباس نہ پہنا جس سے میرے گھٹنے کھل جائیں''۔ (حیات محدثِ اعظم)

دینی ذوق اور تصوف سے رغبت آپ کو شروع سے ہی تھی۔سکول کے زمانے میں ہی آپ نے ولی کامل سراج العارفین شاہ سراج الحق چشتی سے بیعت فرمائی تھی۔اپنے پیرومرشد سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے:

''میرا دل چاہتا ہے کہ پیر ومرشد سراج الحق جیسا ہو جاؤں۔(حیات محدثِ اعظم پاکستان ص6)

قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم اور پرائمری سکول کی تعلیم مولانا ذوالفقار علی قریشی سے حاصل کی جو علاقے کے سکول میں صدر مدرس تھے۔میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔پٹواری کا امتحان بھی پاس کیا لیکن ملازمت اختیار نہ کی۔ایف۔اے کا امتحان دینے لاہور آئے تو پڑھائی میں خوب منہمک ہوئے۔اسی اثنا میں انجمن حزب الاحناف کے جلسے میں حاضری دی اور پھر حضور حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلویؒ کے رخِ پرنور کے فریفتہ ہو کر دینی تعلیم کے حصول کے لیے بریلی شریف پہنچ گئے۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کو مولانا شاہ حامد رضا خاںؒ نے مدرسے کی بجائے اپنے آستانے پر ٹھہرایا اور اپنے بچوں کی طرح ان کا خیال رکھا۔آپ نے ابتدائی کتابیں انہی سے پڑھیں کچھ کتابیں مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاںؒ سے پڑھیں۔جن میں قدوری، کنز اور شرحِ جامی شامل تھیں۔آپ مولانا سردار احمدؒ کے حصولِ علم کے جذبے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''میں جب ان کو دیکھتا پڑھتے دیکھتا۔مدرسے میں، قیام گاہ پر، حتیٰ کہ جب مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے''۔

(حیات محدثِ اعظم، حافظ عطاء الرحمٰن قادری صفحہ 9)

حضرت محدثِ اعظم کے مطالعہ کا عالم یہ تھا کہ رات دیر تک گلی میں میونسپلٹی کے لیمپ کی روشنی میں پڑھتے رہتے۔حضرت شاہ حامد رضاؒ کو اس بات کا علم ہوا تو مہتمم جامع کو ان کے لیے خصوصی لیمپ ان کے کمرے میں مہیا کرنے کا کہا۔اور یہ بھی کہا گیا کہ انہیں رات کا کھانا مغرب کے فوراً بعد دے دیا جایا کرے تا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھ سکیں۔

ان دنوں اجمیر شریف کے مدرسہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمیؒ علم کے گوہر لٹا رہے تھے۔ان کی تدریس و تعلیم اور علم و فضل کا ڈنکا پورے ہند میں بج رہا تھا۔حضور محدثِ اعظمؒ خاندانِ رضویہ کے دو شہزادوں کے ہمراہ اجمیر شریف پہنچ گئے۔آفتاب ولایت عطاء رسول خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے آستانہ عالیہ پر وقت کے مہتاب علم وعرفان سے انہیں کیا کچھ عطا نہ ہوا ہوگا۔بقول مفتی اعظم ہندؒ، پھر تو بحر العلوم کے پاس گئے اور خود بھی بحر العلوم ہو گئے''۔گویا علم کی پیاس بجھانے علم کے سمندر کے پاس پہنچے اور اتنے سیراب ہو گئے کہ خود بھی علم کا سمندر بن گئے جن سے ہزارہا علم کے پیاسے فیضیاب ہوئے۔

حضور محدثِ اعظمؒ کے ذوق وشوق کو دیکھ کر ان میں بھی تدریس کا جوش ٹھاٹھیں مارنے لگا۔وہ انہیں ایک گھنٹہ اضافی پڑھاتے، جمعہ کے دن جب دیگر طلباء کو چھٹی ہوتی، ان کو پڑھاتے رہتے۔یہاں تک کہ جب صدر الشریعہؒ سیر کے لیے باغ میں جاتے تو تعلیم وتدریس کا سلسلہ اسی طرح جاری رہتا کہ مولانا سردار احمدؒ کے ہاتھ میں کتاب ہوتی اور آپ اسباق کی تشریح کرتے جاتے۔انفرادی مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ رات بھر پڑھتے رہتے اور بعض اوقات اسی عالم میں فجر ہو جاتی۔مولانا معین الدین شافعیؒ بیان کرتے ہیں:

''جب آپ اجمیر شریف میں تعلیم حاصل کرتے تھے تو اس

دوران آپ کی محنت کا یہ عالم تھا کہ نمازِ عشاء کے بعد آپ کتاب
سامنے رکھ کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے رہتے یہاں تک کہ
بعض اوقات فجر کی اذان ہو جاتی''۔

اسی طرح ایک بار اجمیر شریف میں آپ کے سر میں شدید چوٹ آئی۔ اطباء نے مطالعہ سے منع کیا۔ لیکن آپ کو کتابوں کے بغیر چین اور سکون کہاں آتا تھا۔ آپ نے تکلیف کی پرواہ کئے بغیر اسباق کا مطالعہ اور مدرسہ میں حاضری جاری رکھی۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ اساتذہ کے ادب و احترام کا بہت خیال رکھتے۔ آپ کے ہم درس حافظ ملت حضرت عبدالعزیز مبارکپوری جو خود بھی بہت بڑے عالم دین اور ولی کامل تھے بیان کرتے ہیں۔ ''حضرت صدر الشریعہ ہم دونوں کو خصوصی درس دیتے تھے۔ کلاس کے بعد جب استادِ محترم باہر جانے لگتے تو ہم دونوں میں یہ دوڑ لگ جاتی کہ آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں بازی کون لے جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم لڑ بھی پڑتے۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ ہم ایک ایک جوتا سیدھا کر دیا کریں گے۔ تا کہ دونوں میں سے کوئی بھی فیض سے محروم نہ رہے''۔

آپ کی دن رات کی محنت رنگ لائی اور آپ نے سالانہ امتحان میں احسن انداز میں پاس ہو کر درسِ نظامی کی سند اعزاز حاصل کی۔ اس کلاس میں آپ کے علاوہ مولانا عبدلعزیز مبارکپوری، مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی اور مولانا رفاقت حسین مظفر پوری بھی شامل تھے۔ یہ سب طلباء بعد میں علم و تدریس اور زہد و تقویٰ کے آفتاب بن کر چمکے اور ایک دنیا ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوئی۔

آپ نے اسی سال 1352ھ/1933ء میں حضرت صدر الشریعہ سے حدیث کی تعلیم مکمل کی۔ اس طرح آپ نے دس سال سے بھی کم عرصہ میں علم کا دریا اپنے اندر سمو لیا۔

دینی علوم کی اعلیٰ ترین اسناد حاصل کرنے کے بعد حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ نے دین کی خدمت کے لیے تعلیم و تدریس کا شعبہ منتخب کیا۔ مولانا عطاء الرحمٰن قادریؒ لکھتے ہیں:

''حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ بے مثل محدث، عظیم فقیہ، کہنہ
مشق مدرس، کامیاب مناظر، بالغ نظر مفتی، بہترین مصنف اور
اعلیٰ پائے کے خطیب تھے، چاہتے تو دین کی خدمت کے لیے
تدریس کی بجائے کوئی اور میدان منتخب کر لیتے لیکن اس شعبہ
میں قحط الرجال کو دیکھتے ہوئے اپنے استادِ محترم حضرت صدر
الشریعہ کی اتباع میں آپ نے خود کو دینی علوم کی تدریس کے لیے
ہمہ تن وقف کر دیا''۔ (حیات محدثِ اعظم: ص12)

آپ نے اپنا پہلا درس جامعہ منظرِ اسلام بریلی میں ہی دیا جو آپ کی مادر علمی بھی تھی۔ آپ کے محسن و مربی حضرت شاہ حامد رضاؒ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ وہ آپ کے اندازِ تدریس سے بے حد مسرور اور فرحاں ہوئے۔ افسوس شعبہ میں قحط الرجال تو اب بھی ہے اور حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ جیسا کوئی اور مدرس اور استاد دستیاب نہیں۔ آج محراب و منبر اور مسندِ تدریس آپ جیسے کسی بحر العلوم کی منتظر ہے۔

1356ھ/1938ء میں حضور محدثِ اعظم نے مولانا عبدالعزیز مبارکپوری کے ساتھ مل کر بریلی میں ہی دار العلوم مظہر اسلام کی بنیاد رکھی۔ جس کی سرپرستی مفتی اعظمؒ نے فرمائی اور کچھ ہی عرصے میں یہ ادارہ عالم اسلام کا بہترین مدرسہ بن گیا جہاں طلبہ حصول علم کے لیے برصغیر کے کونے کونے سے آنے لگے۔ آپ نے قیام پاکستان تک تقریباً دس برس اسی دار العلوم میں علم کے دریا بہائے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ بھکھی شریف ضلع

گجرات اور پھر گوجرانوالہ کے علاقے ساروکی میں کچھ عرصہ قیام کیا۔لیکن حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلویؒ جوان دنوں حج کی غرض سے دیارِ حرمین میں تھے، کی مشاورت سے اپنے لیے لائلپور جیسے شہر کو منتخب کیا۔ ولی کامل مفتیءِ اعظم ہندؒ کی چشم بصیرت یہ دیکھ رہی تھی کہ حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ کے لیے ترقی کرتا شہر ہی جہاں مہاجرین کثرت سے آباد ہو گئے تھے، مناسب ہے۔ آپ نے اپنے گھر پر ہی تدریس وتعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتداء میں مفتی محمد امین شرقپور، مولانا معین الدین چشتی شافعی کراچی، مولانا عبدالقادر احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) اور مولانا ابوداؤد محمد صادق علی پور سیداں سے حصولِ علم کے لیے حاضر ہوئے۔

حضرت محدثِ اعظم نے 12 ربیع الاول 1369ھ بمطابق 2 جنوری 1950ء کو شاہی مسجد جھنگ بازار سے ملحقہ جگہ پر جامعہ رضویہ مظہر الاسلام کی عمارت کی بنیاد رکھی جو بعد میں درس وتدریس کا ایک عظیم ادارہ ثابت ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق اڑھائی سو طلباء ہر سال حصول تعلیم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی محنت شاقہ، اخلاص، طلبا سے مشفقانہ برتاؤ اور انتہائی اعلیٰ معیار کی تدریسی سرگرمیوں کی بدولت اہلِ شہر آپ کی طرف پروانہ وار کھنچے آئے اور ان طلبا کی رہائش اور طعام وقیام کا سلسلہ بآسانی حل ہونے لگا۔ آپ کے درس اور تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کا فروغ تھا۔ کیونکہ آپ سرتاپا عشقِ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جامعہ رضویہ سے ہزارہا طلباء نے فیض اٹھایا اور عالم اور فاضل بن کر ملک بھر کے کونے کونے میں علمِ دین کے انوار پھیلانے لگے۔ بیرونی ممالک میں آپ کے تلامذہ کی خدمات علمی شان کی حامل ہیں۔

حضور محدثِ اعظم پاکستان کو دو بار حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی بار 1935ء میں علماء کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ حج کی

سعادت ملی۔ جن میں مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلویؒ، شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، اور مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لاہوری بھی شامل تھے۔ آپ شب وروز اذکار وعبادت میں مشغول رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں باعث تخلیقِ کائنات فخرِ موجودات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو کیف ومستی سے دیوانہ وار اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ کا یہ شعر پڑھنے لگے۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

اس سفرِ حج کی خاص بات یہ ہے کہ آپ حج سے فراغت پانے کے بعد طائف کے شہر میں بھی گئے۔ اور آقائے کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس شہر کی گلیوں میں پرنم آنکھوں کے ساتھ پھرتے رہے۔ میں جب سوچتا ہوں کہ وہ شخص جو درس دیتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی مسکرانے یا آنسو بہانے کی کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لیتا تھا جب طائف کی وادی میں پہنچا ہو گا تو اس کی کیفیت کیا ہو گی۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ گلیوں بازاروں میں گھومتے ہوں گے تو جوتی کے بغیر ہوں گے اور رو رو کر عرض کرتے ہوں گے کہ آقا صلی اللہ علیک وسلم! ان گلیوں میں آپ پر پتھر برسائے گئے، آپ پر آوازے کسے گئے، آوارہ بچے آپ ﷺ کو ستاتے رہے۔ زخموں سے چُور مبارک ٹانگوں سے خون پاؤں میں موجود نعلین میں آ گیا ہو گا۔ آقا ﷺ! میں اس وقت یہاں موجود ہوتا تو اپنی پلکوں سے آپ ﷺ کے زخموں کی صفائی کرتا، آپ ﷺ کی طرف آنے والے پتھر اپنے ہاتھوں، سینے اور چہرے سے روک لیتا۔ کہیں سے ڈھونڈ کر آپ ﷺ کے لیے پانی لاتا، کہیں سے کھانے کا سامان لاتا۔ لیکن میری قسمت میں ایسا کہاں آج میں یہاں آپ ﷺ کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا پھرتا ہوں اور آپ ﷺ کے قدموں کی خاک کو اپنی

آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزومند ہوں۔

دوسری بار حج بیت اللہ اور روضۂ انور پر حاضری کی سعادت 1956ء میں ملی۔ اس حاضری کو آپ دربار رسالت مآب ﷺ کی حاضری اور گنبدِ خضراء کی زیارت کا نام دیتے اور فرماتے کہ اس باسعادت حاضری کے سبب آپ کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت بھی نصیب ہو سکے گی۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

(امام احمد رضاؒ)

حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ نے تقریباً دس سال کی مدت میں تبلیغِ دین اور تدریس وتعلیم کا وہ عظیم کام کیا جو بڑے بڑے ادارے اور تنظیمیں کئی عشروں پر محیط عرصے میں کرتے ہیں۔ آپ نے علماء کرام، مقررین، مبلغین، مدرسین اور صاحبِ تصنیف فاضلین کی بڑی جماعت تیار کی۔ جنہوں نے شہر شہر قریہ قریہ دینی مراکز اور تدریسی مدارس قائم کیے، وعظ وتبلیغ کا کام کیا اور تصنیف وتالیف میں نام پیدا کیا۔ دن رات کی محنت شاقہ، اور وعظ وتقریر کے لیے دور دراز کے سفروں اور کام کی بہتات سے آپ کی صحت جواب دینے لگی اور آپ شوگر اور بلڈ پریشر کے امراض میں مبتلا ہو کر ستاون (57) سال کی مختصر عمر میں ہی وصال فرما گئے۔ آپ نے یکم شعبان 1382ھ بمطابق 29/دسمبر 1962ء کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کراچی میں وصال فرمایا۔

کراچی میں آرام باغ میں لاکھوں عشاقِ مصطفیٰ ﷺ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امامت کے فرائض علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ نے انجام دیئے جبکہ جید علماء کرام اور مشائخ عظام شامل تھے ان میں پیر سید عبدالقادر گیلانی سفیرِ عراق، علامہ عبدالحامد بدایونیؒ صدر جمعیت علماء پاکستان، علامہ محمد عمر نعیمیؒ، مفتی ظفر علی نعمانیؒ،

مولانا قاری محبوب رضا خاںؒ اور مولانا عبدالسلام باندویؒ شامل تھے۔

لائلپور (فیصل آباد) کے لیے تابوت شاہین ایکسپریس کے ذریعے روانہ ہوا تو ہر اسٹیشن پر سوگواروں کا ہجوم منتظر تھا۔ جو درود وسلام کے گجرے اور پھولوں کے ہار نچھاور کرتے۔ عقیدت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ جن اسٹیشنوں پر گاڑی کا سٹاپ نہ تھا، وہاں لوگ پھولوں کے ہار گاڑی کی طرف پھینک دیتے اور ہدیہ درود وسلام اور نعت خوانی کا تحفہ پیش کرتے۔ جب تابوت فیصل آباد پہنچا تو ایک جمِ غفیر آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ منتظر تھا۔ جب جنازہ کچہری بازار میں داخل ہوا تو اپنوں بیگانوں سب نے دیکھا کہ آسمان سے انوار کا نزول ہو رہا ہے اور انوار وتجلیات کی بارش رِم جھم رِم جھم برس رہی ہے۔ گھنٹہ گھر کے قریب جنازہ نور کے ہالے میں اس طرح سے گم ہوا کہ نگاہوں سے بھی کچھ دیر اوجھل رہا۔ نور کی اس بارش کو لاکھوں افراد نے دیکھا۔ اخبارات نے بھی اس کا ذکر اپنی اشاعت میں کیا۔

روزنامہ عوام کے ایڈیٹر خلیق قریشی نے لکھا:

''یہ امر واقعہ ہے کہ ایک نوجوان نے بہت سے لوگوں کی اس طرف توجہ دلائی جن میں میں بھی شامل تھا۔ مولانا الحاج محمد سردار احمد مرحوم ومغفور کا تابوت جب کچہری بازار پہنچا تو تابوت کے اوپر باقاعدہ نور کی چمک اور نورانی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ یہ روشنی اور اس کا عکس پر نور ایک خاص حیطہ کے اندر تمام راستہ موجود رہا''۔

(31-12-1962) روزنامہ عوام۔

مشہور شاعر جناب عزیز حاصل پوری نے اس واقعہ کی منظر کشی اس انداز میں نظم کی:

جا رہا ہے سوئے جنت کون رخشندہ مقام؟

کر رہے ہیں آج کس کو آسمان والے سلام؟
عازمِ ایوانِ رحمت کون ہے مستِ ازل؟
کیوں لنڈھائے جا رہے ہیں خلا میں کوثر کے جام؟
مرکزِ انوارِ رحمت آج کس کی ذات ہے؟
پھول بخشش کے بچھائے جا رہے ہیں گام گام؟
ہے یقیناً یہ کوئی عالی نظر، بطلِ جلیل
خیر مقدم کے لیے جس کے ہے اتنا اہتمام
قوم کے سردار،لائل پور کے ہیں شیخ الحدیث
تھی تیری ذاتِ گرامی لائق صد احترام

نمازِ جنازہ دھوبی گھاٹ کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔امامت کے فرائض شہید اہلسنت علامہ عبدالقادر احمد آبادی نے ادا کیے۔ بلا مبالغہ یہ جنازہ فیصل آباد کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت سنی رضوی مسجد کے احاطے میں لائی گئی اور گھر والوں اور پھر عشاق کو زیارت کرائی گئی۔ یہ منظر قابل دید تھا کہ آپ کا چہرہ انور نور سے جگمگا رہا تھا۔اور لبوں پر تبسم نمایاں تھا۔

علامہ معراج الاسلام ،شیخ الحدیث ادارہ منہاج القرآن انٹرنیشنل اس سارے ایمان افروز منظر کی عکاسی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''جب تابوت مبارک گھر لا کر کھولا گیا تو حاضرین ایک مرتبہ پھر دنگ رہ گئے ،حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک آنکھ کھلی تھی۔اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ مشاہدہ فرما رہے ہیں۔جسم نرم و نازک اور چہرہ تر و تازہ تھا، ہونٹوں پر ملکوتی تبسم کھیل رہا تھا،اور

رنگت پہلے سے زیادہ سرخ وسفید اور پرکشش تھی''۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

''وصال فرمائے ہوئے دو دن اور دو راتیں بیت چکی تھیں مگر پھولوں میں سجا ہوا چہرہ خود بھی پھول لگ رہا تھا۔اس حسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہو رہے تھے۔اور چاہتے تھے محبوب بندے کی آخری بار زیارت کر لیں۔جب بھیڑ چھٹتی نظر نہ آئی تو جامع مسجد کے پہلو میں سرِ شام دفن کر دیا گیا۔حضرت شیخ الحدیث کے مبارک جنازے کی تاریخی شان وشوکت کی ایک دنیا گواہ ہے لوگ ابھی تک اس حسین و پُر نور منظر کو نہیں بھولے اور چشمِ تصور میں اس کے نورانی جلوے بسائے ہوئے ہیں۔

(محدثِ اعظم پاکستان: شائع کردہ انجمن طلباءِ اسلام فیصل آباد)

سنی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں خوبصورت اور جاذبِ نظر سفید سنگِ مرمر سے تعمیر کردہ مزارِ مبارک آج مرجع اخلاق اور منبع فیض و برکت ہے۔

وہ محدث ، وہ محقق ، وہ فقیہ
عالمِ عالمِ ہدیٰ جاتا رہا
اس زمانے کا محدث بے مثال
جس کا ثانی ہی نہ تھا ، جاتا رہا
چل بسا دنیا سے استادِ شفیق
مایۂ لطف و عطا جاتا رہا
رہبرِ راہ ہدیٰ تھا لا کلام
سنیوں کا مقتدیٰ جاتا رہا

غوثِ اعظم خواجہ اجمیر کا
وہ مجسّم فیض تھا جاتا رہا
پیکر رشد و ہدیٰ تھا بالیقیں
مظہر احمد رضاؔ تھا جاتا رہا

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کی شخصیت مختلف اوصاف کا مجموعہ تھی۔ آپ زہد وتقویٰ کا پیکر تھے، خلوص وللّٰہیت آپ کا خاصہ تھی۔ دین سے شغف اور وعظ و تبلیغ آپ کا مشن تھا۔ لیکن جس وصف نے آپ کو جاودانی امتیاز بخشا وہ ہے عشقِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

عشقِ رسول ﷺ خوشبو بن کر آپ کے رگ و پے میں مہکتا تھا۔ آپ کے شب و روز ذکرِ حبیب خدا ﷺ میں گزرتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں جلوۂ حسنِ مصطفیٰ ﷺ کی چمک نظر آتی تھی۔ یہ عشقِ رسول ﷺ ہی آپ کی پہچان ہے۔

راقم الحروف اپنی پچاس سالہ زندگی میں سینکڑوں عاشقانِ رسول ﷺ سے ملا ہے۔ بیسیوں علماء کرام اور مشائخ عظام سے فیض پایا ہے اور ان سے گفتگو کا موقع میسر آیا ہے۔ مجھے اہلِ محبت میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس کے سامنے حضرت قبلہ محدثِ اعظم پاکستان کا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھیں روشن نہ ہوں، اس کا چہرہ کھل نہ اُٹھے اور اس کا جسم خوشی و کیف و مستی سے جھومنے نہ لگے۔ سب غلامانِ رسول ﷺ اس عظیم عاشقِ رسول ﷺ کا ذکر انتہائی پیار، محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں۔

خود میرے والد گرامی مرحوم علامہ سردار احمدؒ کا ذکر کر کے خوشی سے جھوم جاتے۔ ہمارے پیر و مرشد بابا جی جلال الدین قادریؒ کے بھتیجے اور موجودہ سجادہ نشین پیر فضا دستگیر کے والد ماجد قبلہ ضیا دستگیر مرحوم ہمیشہ حضور محدثِ اعظمؒ کے عرس کے موقع

پر فیصل آباد تشریف لاتے اور ہمارے غریب خانے پر قیام فرماتے، عرس میں شریک بھی ہوتے اور علماء کے بیان بھی شوق سے سنا کرتے مجھے بھی ان کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا۔ راقم دورِ طالب علمی میں انجمن طلباء اسلام کی جانب سے لگائے گئے بک سٹال اور کیمپ میں شامل ہوتا اور مجھے ملک بھر سے آئے علماء کرام اور مشائخ عظام سے ملاقات کا شرف بھی ملتا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ مجھے یہ کہنے میں عار نہیں عشقِ رسول ﷺ کی دنیا میں جس قدر اونچا مقام حضور محدثِ اعظم کا ہے، دورِ حاضر میں کسی اور کو یہ مرتبہ نہیں ملا۔ انہیں عصرِ حاضر کا بلالؓ، اویسؓ اور جامیؒ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اسی حوالے سے علامہ معراج الاسلام لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کا عشق اور آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ والہانہ لگاؤ ہی آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ تصور میں ہر وقت ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے جلوے بسے رہتے۔ نگاہوں میں مدینے کے در و دیوار گھومتے رہتے۔ تذکارِ حبیب ﷺ کے سوا محفل میں کوئی دنیاوی بات نہ ہوتی تھی۔ حدیثِ پاک پڑھاتے ہوئے جھوم جھوم کر محبوب کی باتیں سناتے۔ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پہلی ہی نشست میں نووارد کا سینہ عشقِ رسول ﷺ سے بھر دیتے اور وہ سوز وگداز عطا کرتے کہ ساری زندگی مزے لیتا رہتا۔ آپ کے حلقہ درس و وعظ کی یہی خصوصیت تھی۔ سادہ سی باتیں ہوتی تھیں مگر ان میں رچاؤ اور خلوص ایسا ہوتا تھا کہ سننے والا سرور و مستی میں ڈوب جاتا''۔

(محدثِ اعظم پاکستان: شائع کردہ انجمن طلباء اسلام فیصل آباد)

حضرت محدثِ اعظم کے عشقِ رسول ﷺ کا نکتہ کمال اس وقت نظر آتا

جب آپ درسِ حدیث دینے کے لیے دارالحدیث میں آتے۔دارالحدیث میں آنے سے پہلے غسل یا وضو کرتے، اعلیٰ صاف ستھرا لباس پہنتے، عمامہ شریف پہنتے، خوشبو لگاتے اور یوں محسوس ہوتا کہ آپ کسی بہت بڑی شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔ درس میں آ کر اپنی نشست پر تشریف رکھتے اور پھر گویا دنیا سے بیگانہ ہو کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو جاتے۔آغاز میں قصیدہ بردہ شریف کے اشعار پڑھتے اور ساتھ ساتھ طلباء بھی پڑھتے۔درسِ حدیث دیتے ہوئے آقا ومولا ﷺ کی کیفیت اور واردات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے۔اگر کہیں نبی کریم ﷺ کے مسکرانے اور تبسم فرمانے کا ذکر آتا تو خود بھی مسکراتے اور طلباء سے بھی فرماتے کہ تم بھی مسکراؤ یا ایسی صورت ہی بنا لو۔اگر کہیں کریم آقا ﷺ کے رونے کا تذکرہ آتا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔اگر کہیں حضور ﷺ کے غمگین ہونے کا ذکر ہوتا تو خود بھی غم و اندوہ کی تصویر بن جاتے۔

یہ عشقِ رسول ﷺ کی فراوانی ہی تھی کہ دیارِ حرمین کے سفر کے لیے دوسری بار جانے کا ارادہ کیا تو ایک طالب علم نے اعلان کر دیا کہ آپ حج کے لیے عنقریب جا رہے ہیں۔تو آپ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا:

"تمہیں معلوم ہے ہم فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں۔اب ہمارے ذمے وہ فرض باقی نہیں۔اس دفعہ تو صرف دربارِ رسالت کی حاضری اور گنبدِ خضرا کی زیارتِ پاک کی نیت سے جا رہے ہیں۔اس مقدس حاضری کے صدقے میں ارکانِ حج اور دیگر عبادات کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، اس لیے یہ اعلان کرو کہ ہم حضور نبی کریم، رؤف و رحیم، پیکرِ نور و رحمت، تاجدارِ عرب و عجم، محبوب ربّ العالمین ﷺ کے دربار کی حاضری کے

لیے جا رہے ہیں"۔ (روشن ستارے: از نور الزمان نوری صفحہ:65)

حضرت محدثِ اعظمؒ جب خطبہ جمعہ یا اپنے وعظ اور تقریر کا آغاز فرماتے تو نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے القاب کا ایک گلدستہ پیش کرتے جس سے سامعین وحاضرین کے دل جھوم جھوم اٹھتے۔آپ اپنے خطبے کا آغاز کچھ اس انداز میں کرتے:

"شفیع معظم، سرکارِ دو عالم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبین، شبِ اسریٰ کے دولہا، میرے اور آپ کے پیارے آقا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں جھوم جھوم کر تین تین بار ہدیہ درود وسلام پیش کرو"۔

الغرض ان جیسا عاشقِ رسول ﷺ دورِ حاضر میں ناپید ہے۔

حضرت محدثِ اعظمؒ نے علم وعرفان کے جام لنڈھانے اور دین کی تعلیم وتدریس کا نور پھیلانے کے لیے بہت سے دینی مدارس قائم فرمائے۔جن میں دارالعلوم مظہر الاسلام بریلی شریف، جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد، جامعہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد شامل ہیں۔جبکہ آپ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے پورے ملک میں دینی جامعات کا ایک نیٹ ورک پھیلا دیا۔ان جامعات میں جامعہ رضویہ سبز منڈی راولپنڈی، جامعہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ غوثیہ گلبرگ لاہور، جامعہ امجدیہ کراچی، جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد، جامعہ رضویہ سکھر نمایاں ہیں۔ان جامعات نے علمِ دین کے فروغ کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔حضرت صاحبؒ کے تربیت یافتہ فضلاء جامعہ اور خلفاء میں سے جن بیسیوں نے نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ان میں مفتی محمد امین، علامہ عبدالقادر شہید اہلسنت، مولانا معین الدین شافعیؒ، مولانا عبدالقیوم ہزاروی، مولانا سید حسین الدین شاہ، مفتی غلام سرور قادری، پیر علاؤالدین صدیقی، علامہ عبدالرشید جھنگوی، علامہ فیض احمد اویسیؒ، شیخ الحدیث غلام رسول، علامہ محمد ابراہیم

خوشتر (جنوبی افریقہ) شامل ہیں۔آپ نے شہر بھر میں بہت سی مساجد کی بنیاد رکھی اور انہیں تعمیر کروایا جن میں شاہی مسجد فیصل آباد، سنی رضوی جامعہ مسجد، بغدادی جامع مسجد، جامع مسجد ابرار ریل بازار شامل ہیں۔آپ کی اولادِ امجاد میں پیر فضلِ رسول مدّ ظلہ العالی سجادہ نشین ہیں اور تبلیغی و دینی مساعی کے سرپرست ہیں۔آپ کی کاوشوں سے مرکزی سنی رضوی مسجد کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی، حضرت محدثِ اعظمؒ کا مزار پر انوار خوبصورت انداز میں تعمیر ہوا، چنیوٹ کے قریب رضا نگر میں وسیع و عریض رقبے پر مشتمل محدثِ اعظم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور بہت سے رفاہی و فلاحی منصوبے جاری ہیں۔دوسرے صاحبزادے حاجی فضل کریم مدّ ظلہ العالی سیاست کے میدان میں عوام اہلسنت کے نمائندے اور ملت اسلامیہ کے قائد ہیں۔وہ جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ، سنی اتحاد کونسل کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔وہ 8/اپریل 2013ء کو پیر کے دن وفات پا گئے۔

آخر میں مضمون کو سمیٹتے ہوئے حضور محدثِ اعظمؒ کی نجی زندگی اور گھریلو اندازِ زیست کے حوالے سے ایک عفیفہ، صالحہ اور نیک خاتون کے تاثرات بیان کرتے ہیں، جو سالہا سال تک بچپن سے جوانی تک آپ کے زیرِ سایہ پرورش پاتی رہیں۔وہ بیان کرتی ہیں:

"حضور محدثِ اعظمؒ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔تکلفات اور رکھ رکھاؤ سے کوسوں دور تھے۔بان کی چارپائی جس پر بستر یا چادر بھی نہ ہوتی، وہاں تشریف فرما ہوتے۔بعض اوقات پیاز کے ساتھ روٹی کھا لیتے، بچوں سے بہت شفقت اور پیار کرتے، ہم چھوٹے بچے ان کے حجرے میں گھس جاتے تو پیار سے بلاتے اور بہت محبت کا اظہار کرتے۔اچھے کھانوں کو پسند کرتے اور ہم پکانے والی بچیوں اور خواتین

کی بہت حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے۔درس سے فارغ ہو کر آتے تو لوگ بھی ساتھ ساتھ ان کی رہائش گاہ تک آ جاتے۔لوگوں کے دلوں میں آپ کی دید کی پیاس نہ بجھتی۔آپ دروازے پر کھڑے ہو کر ان سے مسکرا کر گفتگو فرماتے رہتے۔آپ کا چہرہ مبارک بہت پُر نور اور بارعب تھا۔جس پر نظر ٹھہرتی نہیں تھی۔شریعت کی پاسداری میں کسی کو تصویر بنانے کی اجازت نہ ہوتی۔عید میلاد اور دیگر ایام بزرگانِ دین کا اہتمام بہت شان و شوکت سے کرتے۔باہر سے تشریف لانے والے معزز علماء کرام اور مشائخ عظام کے لیے کھانے کا پر تکلف اہتمام کرتے۔سب لوگوں سے ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے۔کسی سے ناراض نہ ہوتے البتہ بدعقیدہ اور گستاخ فرقوں کے لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھتے، بلکہ ان سے مصافحہ بھی نہ کرتے۔کیونکہ آپکی دشمنی اور دوستی کا معیار صرف اور صرف ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی اور محبت ہی تھا"۔

آپ نے دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت کا کام اخلاص اور بے لوث انداز سے کیا۔مال و متاع کی طلب اور خواہش جاہ و منصب آپ کے پیش نظر کبھی بھی نہ تھی۔ایک بار ایک جلسہ کے سلسلہ میں نواب شاہ تشریف لے گئے۔حافظ احسان الحق اور سید غلام محی الدین گیلانی اوکاڑوی بھی ہمراہ تھے۔منتظمین جلسہ نے کسی قسم کے زادِ راہ یا کرائے وغیرہ کے حوالے سے خدمت نہ کی۔واپسی پر شاہ صاحب نے شکوہ بھرے انداز میں کہا کہ انہوں نے کسی قسم کی خدمت نہیں کی۔حضرت محدثِ اعظمؒ نے بڑے پیار سے فرمایا:

"شاہ صاحب! علماء پر تبلیغ فرض ہے، لوگ جلسوں کا اہتمام کر کے علماء کو تبلیغ کی دعوت دیتے ہیں۔اگر بالفرض عوام جلسوں کا انعقاد نہ کریں تو بھی

علماء پر خود جلسوں کا اہتمام کر کے تبلیغ کرنا فرض ہے۔عوام سے نقد خدمت کی توقع نہ رکھو بلکہ غنیمت جانو کہ انہوں نے ایک گونہ آپ کا بار اٹھایا ہوا ہے''۔(روشن ستارے:59)

اسی طرح ایکبار اندرون شہر کسی نے محفلِ میلاد کے حوالے سے آپ کو مدعو کیا۔محفل کے بعد منتظمین نے آپ کی طرف توجہ نہ دی۔آپ خود ہی واپس پیدل چل پڑے۔ایک طالب علم بھی ہمراہ تھا۔اس نے کہا کہ حضور کیسے لوگ ہیں،انہوں نے تانگے کا بھی اہتمام نہیں کیا۔آپ نے اسے مخاطب کر کے کہا:

''بندۂ خدا کیا کہا؟ انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے جلسہ کا اہتمام کیا اور ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے اس فقیر کو بلایا یہ ان کا تھوڑا احسان ہے؟ اگر وہ چاہتے تو آپ ﷺ کے ذکرِ خیر کے لیے کسی اور کو بلا لیتے''۔

(روشن ستارے:59)

آپ جامعہ سے فارغ ہونے والے طلباء کو نصیحتوں سے نوازتے جس کا مفہوم اس طرح سے ہوتا:

''آج تم طلباء ہو اور کل تمہارے سروں پر دستارِ فضیلت باندھی جائے گی۔اور تم علماء دین کہلاؤ گے۔کل سے تم پر کچھ نئی ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی۔دیکھنا کہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔اگر تم نے دامنِ مصطفیٰ ﷺ تھامے رکھا تو دنیا تمہارے قدموں میں آئے گی۔اور اگر طمع اور لالچ میں پڑ گئے تو ذلیل ہو جاؤ گے''۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے گہری محبت تھی۔اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی عقیدت کا محور بغداد شریف،لاہور،اجمیر اور بریلی تھے تو بے

جا نہ ہوگا۔آپ کا معمول تھا کہ لائل پور سے ہر قمری ماہ کی پہلی جمعرات کو لاہور جا کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے۔شاہدین بتاتے ہیں کہ آپ جب لاہور پہنچتے تو داتا دربار کے احاطے میں بہت سے علماء کرام،طلبا اور زائرین قطار بنا کر آپ سے مصافحہ کرنے کے لیے جمع ہوتے اور یوں داتا صاحب اپنے اس عظیم دیوانے کو عزت وشرف سے نوازتے۔آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو بھی یہ تاکید کرتے کہ لاہور جاؤ تو داتا صاحب حاضری ضرور دو۔

مزارات پر غیر شرعی حرکتوں کی ممانعت آپ کے پیش نظر رہی۔ایک مرتبہ آپ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔آپ مزار کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگ رہے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور دربار شریف کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا۔آپ نے دعا چھوڑ کر اسے تنبیہ فرمائی۔کہ سجدہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے روا ہے۔مخلوق میں کسی کو سجدہ روا نہیں ہے۔اگر کوئی شخص کسی کو معبود سمجھ کر سجدہ کرے تو کفر ہے اگر اسے معبود نہ سمجھے صرف تعظیم کے لیے سجدہ کرے پھر بھی ہماری شریعت میں حرام اور ممنوع ہے۔مزید آپ نے دربار شریف کے منتظمین سے کہا کہ اس مضمون کی تختی بنوا کر یہاں لگائی جائے جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہو''مزارات کو سجدہ کرنا جائز نہیں''۔(روشن ستارے:58)

سرمایۂ زیست

جیسا کہ ایک عالم جانتا ہے کہ قبلہ حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ کی شخصیت علم وفضل،زہد وتقویٰ،اخلاص اور عشقِ رسول ﷺ کے حسن سے آراستہ تھی۔یہ سب کمالات آپ کے شاگردوں اور خلفاء میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھے۔اسی لازوال نور سے کچھ کرنیں ہمارے قلب وجگر پر بھی پڑی ہیں،جن کو ہم نے سرمایۂ زیست بنا کر دل کے نہاں خانوں میں سجا لیا ہے کہ یہ اس زندگانی میں بھی کیف وسرور اور حلاوت کا

باعث ہے تو آخرت میں بھی فلاح وکامرانی کا یقینی وسیلہ ہے۔

میں چھٹی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا تب سے جمعہ پڑھنے کے لیے اپنے دوست محمد طاہر تبسم کے ہمراہ سنی رضوری جامع مسجد میں جایا کرتا تھا۔ جو ہمارے گھر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں اس وقت علامہ عبدالرشید جھنگویؒ (پروفیسر طاہر القادری کے ابتدائی استاد) خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے۔ وہ علم وتحقیق کا سمندر تھے۔ ان کی باتیں بہت گہری اور علمی سطح کی ہوتی تھیں۔ جو ہم جیسے بچوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ لیکن ان کا جلال اور پرنور چہرہ دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا تھا۔ ہم جمعہ کے بعد حضور محدثِ اعظم کے مزار پر حاضری بھی دیتے اور دعا بھی مانگتے۔ مسجد اور مزار شریف کے تعمیری مراحل رکے ہوئے تھے۔ اور محسوس ہوتا تھا کہ شاید یہ دوبارہ جلدی شروع بھی نہ ہوں۔ آپ کے مزار پر ایک تقدس، ایک وقار اور ایک پرکیف فضا طاری رہتی تھی۔ انوار کا سلسلہ ہم اپنے دل میں اترتا بھی محسوس کرتے تھے۔

ہم حضرت محدثِ اعظمؒ کے عرس مبارک کی تقریبات میں باقاعدگی سے شامل ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ عرس کے موقعہ پر پاکستان کے مختلف علاقوں سے علماء کرام اور مشائخ عظام بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ جن کی پرجوش اور مبنی برحکمت تقاریر سن کر دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ حضرت محدثِ اعظمؒ کے زمانے میں بریلی شریف، کراچی اور ملک کے دوسرے حصوں سے علماء ومشائخ تشریف لاتے تھے۔ میں نے جن علماء کرام کی تقاریر سنی ان میں غزالی دوراں علامہ احمد سعید کاظمیؒ، قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی، مجاہد ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی، علامہ عبدالشکور ہزاروی، حاجی حنیف طیب، علامہ شبیر حسین حافظ آبادی جیسے اکابرین شامل ہیں۔

انجمن طلباء اسلام کی طرف سے عرس کے موقعہ پر بک سٹال اور تعارفی کیمپ لگایا جاتا تھا۔ جس میں کسی دینی ادارے سے کتابیں لیکر فروخت کی جاتیں اور اس میں سے جو آمدنی ہوتی وہ ATI کے فنڈ کے لیے استعمال ہوتی یا کچھ کتابیں خرید کر مرکز یا یونٹوں کی لائبریریوں کے لیے رکھ لی جاتیں۔ ان کیمپوں میں بھی علماء کرام، معززین شہر اور طلباء آیا کرتے تھے۔ ایک سال مجھے بھی یہ اعزاز ملا کہ میں اس کیمپ کا انچارج بنا۔ یہ سارا سلسلہ حضرت محدثِ اعظمؒ سے عقیدت اور وابستگی بڑھانے کا ذریعہ بنا۔ ہم طلباء کیمپ بند کر کے رات کے پچھلے پہر آپ کے مزار اقدس پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات ہمارے قائدین میں سے بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوتا تھا۔

مجھے کئی بار جامعہ رضویہ مظہر الاسلام کی تقریبات اور سیمینارز میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ کئی بار بطور مقرر یا مہمان خصوصی بلایا گیا ہوں۔ ایسا موقع پر میں سعادت سمجھ کر جاتا ہوں۔ وہاں کے (بزم طلباء) کی جانب سے منعقد پروگراموں میں بھی بیان کا موقعہ ملا ہے۔

اسی زمانے میں غالباً 1980ء کی بات ہے، مجھے مفسرِ قرآن پیر محمد کرم شاہؒ کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں منعقد میلاد کانفرنس کی صدارت فرمانے کے لیے دعوت دینے کی خاطر بھیرہ شریف جانا پڑا۔ وہاں شیخ الحدیث علامہ معراج الاسلام (جو اب جامعہ منہاج القرآن لاہور کے شیخ الحدیث ہیں) سے ملاقات ہوئی۔ ان سے گہرا تعلق نکل آیا۔ وہ حضرت محدثِ اعظمؒ پاکستان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے میں نے آپ کی زندگی پر مبنی مضمون لکھنے کا تقاضا کیا۔ جوانہوں نے تحریر کر کے دیا اور یہ مضمون انجمن طلباء اسلام فیصل آباد کی جانب سے شائع کر کے مفت تقسیم کیا گیا۔ تلاش بسیار کے بعد مجھے اپنی لائبریری میں سے اس پمفلٹ کی ایک کاپی مل گئی جو ان شاء اللہ جلد ہی دیگر منتخب مضامین کے ہمراہ شائع کر دی جائے گی۔ یہ بھی ایک

سعادت ہے جو میری عقیدت، وابستگی اور لگن کا مظہر ہے۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے حاجی فضل کریم سے تعلق 1977ء سے ہی ہے جب وہ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے ہراول دستے میں شامل تھے۔اور ظلم وتشدد کے باوجود غاصب اور آمر حکومت کے خلاف آوازِ حق بلند کر رہے تھے۔اب ماشاءاللہ اہل سنت کے متفقہ قائد، سنی اتحاد کونسل کے سربراہ اور جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی صدر ہیں۔ان کا جرأت مندانہ کردار تاریخ کا حصہ ہے۔آپ نے تعصب، تشدد اور دہشت گردی کی بنیاد پر بننے والے سازشی عناصر طالبان وغیرہ کے خلاف زوردار انداز میں آواز اٹھانے کا فریضہ انجام دیا۔ان کی مساعی اور جدوجہد کا محور ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ہے۔قبلہ حاجی صاحب سے تعلق اس طرح سے ہے کہ جب بھی میرے کلینک کے قریب سے گزریں تو رک کر میرے پاس تشریف لاتے ہیں اور سکِن کا کوئی مسئلہ ہو تو مشورہ لینے کے لیے مجھ سے رابطہ کرتے ہیں۔

بچپن میں جامعہ رضویہ کے علاوہ جمعۃ المبارک پڑھنے کا زیادہ اتفاق جامع مسجد بغدادی دارالعلوم نوریہ رضویہ گلبرگ فیصل آباد میں ہوتا تھا۔جو ہمارے گھر سے کچھ ہی دور ہے۔عیدین بھی اکثر ہم یہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔اس ادارہ کی بنیاد خود حضرت محدثِ اعظمؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔اس کے بانی اور منتظمِ اعلیٰ حضرت علامہ سید زاہد علی شاہ صاحبؒ تھے۔جو بہت نورانی شخصیت کے مالک تھے اور جن کے قول وفعل میں عشقِ رسول ﷺ کی مستی رچی بسی تھی۔ان کی شیریں آواز اور میٹھا لہجہ آج بھی دلوں میں کیف وسرور بھرتا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ دلوں میں ادب واحترام مصطفیٰ ﷺ کا بیج بونے اور عشقِ رسول ﷺ کا پودا اگانے میں انہی کا زیادہ کردار ہے۔ہم تو اکثر تراویح بھی بغدادی مسجد میں پڑھنے آتے تھے۔اب ماشاءاللہ

ان کے صاحب زادے علامہ سید ہدایت رسول شاہ صاحب بہت احسن انداز میں دارالعلوم نوریہ رضویہ کو چلا رہے ہیں۔وہ منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور کے فاضل ہیں اور محترم پروفیسر طاہر القادری کے دستِ راست ہیں۔

حضرت محدثِ اعظمؒ علامہ سردار احمدؒ کے دو اولین شاگردوں اور خلفاء مولانا معین الدین شافعی قادری اور مولانا عبدالقادر شہید اہلسنت سے اور مؤخر الذکر کے صاحبزادے محترم عطاء المصطفیٰ نوری سے میرے تعلق اور عقیدت کو پینتیس (35) سال ہو چکے ہیں اور دن بدن یہ تعلق اور رابطہ پہلے کی نسبت گہرا ہی ہوا ہے۔مولانا معین الدین قادریؒ بہت نفیس، وضعدار، حلیم الطبع، مہمان نواز اور سلفِ صالحین کی تصویر تھے۔ان کے چہرے کی زیارت کر کے ایمان تازہ ہوتا تھا۔میں بہت سے مسائل ان سے پوچھا کرتا تھا اور اپنا ذہن واضح کر لیا کرتا تھا۔ہمیشہ صاف ستھرا لباس اور سر پر گہرے براؤن رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔لوگ مسائل، فتاویٰ اور دعا کے لیے آتے رہتے اور سب کی بات توجہ سے سنا کرتے۔میں جب حاضری کے لیے جاتا تو فرماتے ہمارے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔پھر اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر لاتے۔کیونکہ ان کی اہلیہ کافی عرصہ پہلے وصال کر گئی تھیں۔اور بیٹا وحید الرضا ابھی چھوٹا تھا۔مولانا معین الدین نے مولانا عبدالقادر کی شہادت کے بعد اس ادارہ کی بنیاد رکھی اور اپنے دوست اور کلاس فیلو کی بے یارومددگار فیملی کو سہارا دیا اور بچوں کی پرورش کا حق ادا کر دیا۔یاد رہے وہ خود بمبئی کے علاقے سے حصول تعلیم کے لیے حضرت محدثِ اعظمؒ کی محبت میں کھنچے چلے آئے تھے جبکہ مولانا عبدالقادر احمد آباد گجرات کے ایک بڑے عالم دین اور شیخ طریقت کے صاحبزادے تھے جن کو حضرت محدثِ اعظمؒ نے اپنی مراد بنا کر ان کے والدین سے مانگ لیا تھا۔

اب دونوں دوستوں کی قبریں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔مجھے یہ فخر ہے کہ وہ

میری والدہ کے جنازے میں شامل ہوئے تھے۔اور دفن تک قبر کے پاس پڑھتے رہے تھے۔حالانکہ اس دن عیدالفطر تھی اوران کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔

مولانا عبدالقادر کے صاحبزادے علامہ عطاء المصطفیٰ نوری فیصل آباد کے دینی حلقوں میں سب سے متحرک ،فعال اور مخلص ترین شخصیت ہیں۔انہوں نے جامعہ قادریہ رضویہ جیسے چھوٹے ادارے کو ایک یونیورسٹی کے روپ میں لا کھڑا کیا ہے۔سینکڑوں کمروں اور کئی منزلوں پر مشتمل جامعہ کی بلڈنگ ان کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ان کی کاوشوں کا حسین ثمر ہے۔ان کی زیرِ نگرانی جامعہ مسجد طیبہ کی خوبصورت عمارت اور مزار شریف کی تکمیل کے علاوہ اس وقت سے بہت سے پروجیکٹ چل رہے ہیں۔جن میں مصطفائی گرلز کالج،AIMS سکول سسٹم جس میں اے لیول اور او لیول کی تعلیم انتہائی کم فیس میں دی جاتی ہے۔بچیوں کے لیے بہت بڑا مدرسہ اور ہوسٹل،سینکڑوں یتیموں اور بیواؤں کے لیے ماہانہ راشن،غریب،یتیم بچیوں کی اجتماعی شادیاں اور جہیز کا انتظام ۔،دینی کتب کی اشاعت اور مفت تقسیم کا اہتمام جیسے اہم پروگرام شامل ہیں۔

نوری بھائی سے بہت سے مسائل اور حالات و واقعات پر گفتگو ہوتی ہے۔ میں ان سے ہمیشہ فیض پاتا ہوں۔میرے گھر میں اِکیس(21) سالوں سے مسلسل سالانہ محفل میلاد ہو رہی ہے،نوری بھائی تقریباً ہمیشہ آتے ہیں اور اپنے خطاب اور خوبصورت نعتوں سے میرے گھر کو مہکاتے ہیں۔میں جب عارضۂ قلب کی وجہ سے بیمار ہوا تو وہ اور ان کی پوری فیملی دعا گو رہی اور بی بی جان اور دیگر اہلِ خانہ میری عیادت کے لیے ہسپتال میں آئے اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

میں سمجھتا ہوں یہ سارا فیضان حضرت محدثِ اعظمؒ کا ہی ہے۔جس نے میری زندگی کے اندھیروں میں نور پھیلایا ہے اور میرے وجود کو عشقِ رسول ﷺ کی خوشبو

سے مہکایا ہے۔

میری یہ دعا ہے کہ حضور قبلہ محدثِ اعظم پاکستانؒ کا فیضان اسی طرح جاری وساری رہے اور ہمارے روز وشب کو ایمان کی روشنی سے منور کرتا رہے۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اور وسیلے سے آپ کی قبرِ انور پر انوار وتجلیات کی بارش نازل کرتا رہے اور ان کے درجات کو مزید بلند کرتا رہے۔(آمین)



ضیاء القرآن اور تحفظ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی نوع انسان کیلئے منبعِ رُشد و ہدایت ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ مینارۂ نور کا کام دیتا ہے۔ یہ قرآن مجید جس عظیم انسان اور بے مثال ہستی پر نازل ہوا وہ اپنی شخصیت سیرت، کردار، گفتار اور اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے کائنات کی افضل ترین ذات ہے۔ قرآن مجید میں بے شک بہت سے مضامین پر بات کی گئی ہے۔ مثلاً ایمانیات، عقائد، اخلاقیات اور معاملات لیکن قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیغمبرانہ شان وعظمت کا بیان کیا، آپ کے اوصافِ جمیلہ کی بات کی ہے اور کفار مکہ یا یہودِ مدینہ کی طرف سے آپ ﷺ کی ذات بالا صفات پر کیئے گئے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے الغرض اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کی عصمت، وقار اور عظمت ورفعت کے تحفّظ کیلئے بھرپور اہتمام کیا ہے۔ اس حوالے سے بہت سی آیاتِ قرآنی ہیں جن کا تذکرہ ہم آگے کریں گے۔

قرآن مجید کے مضامین اور مطالب کی وضاحت کیلئے اب تک بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں جن میں تحفّظِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے لحاظ سے سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ تاہم دورِ حاضر میں جس انداز میں لادینی اور اسلام دشمن طاقتیں ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر حملہ آور ہوتی ہیں وہ ہمارے مفسّرین اور عوام الناس کی سوچ اور فکر سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس حوالے سے مغربی استعماری طاقتیں اپنے تمام تر وسائل

اور ہر طرح کے میڈیا کو استعمال کر کے میدان میں موجود ہیں۔

دورِ حاضر کے عظیم اور منفرد اندازِ تحریر کے مالک عالم دین اور روحانی پیشوا ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر ضیاء القرآن ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ پیر محمد کرم شاہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ قدیم وجدید علوم کے فاضل عظیم روحانی ورثہ کے مالک، اور عشقِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی دولت سے مالا مال تھے۔ ان کی تفسیر ضیاء القرآن اہل محبت کیلئے الحاد، لادینیت اور بدعقیدگی کے گھٹن زدہ ماحول میں بادِ بہاری کا ٹھنڈا جھونکا ثابت ہوئی۔

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل سے ہی جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات، قرآن کریم کی تفسیر وشرح اور سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے کچھ لکھا اور عرصۂ دراز تک اردو خوان حضرات کیلئے فہم قرآن وحدیث کا واحد دست یاب ذریعہ تھا، وہ فرنگی تہذیب اور نظریات کے زیرِ اثر دانستہ یا نادانستہ طور پر اس فکر کے علمبردار تھے جس میں صاحبِ قرآن کو منہا کر کے صرف اللہ تعالیٰ اور قرآن کی اہمیّت اجاگر کی گئی اور اپنے تئیں وہ لوگ خالص توحید کو بچانے کی تحریک میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ ایسی توحید جس میں ذاتِ مصطفیٰ کریم ﷺ ایک عام بشر تک اہمیت کی حامل ہے اور آپ کی تعظیم وتوقیر خلافِ شریعت قرار دی جاتی ہے۔

نبی کریم شفیع معظّم تاجدارِ عرب وعجم سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ارفع واعلیٰ شانِ اقدس میں تنقیص کا سلسلہ آپ کی بعثت کے فوراً ابعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ جو آج تک جاری ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ تحفّظِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کا کام سب سے اوّل خود ربّ کائنات نے انجام دیا۔ قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفّارِ مکہ کی بے باکانہ گستاخیوں کا فوری جواب دیا۔ کفّارِ مکہ نے آپ ﷺ کے دو شہزادوں قاسم اور طیّب کی کمسنی ہی میں وفات پر جب آپ کو ابتر

کہا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر میں اس کا جواب دیا۔سبھی مفسرین نے اس سورہ کے ضمن میں بہت خوبصورت باتیں کہیں ہیں لیکن ضیاء الامّت حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمتہ اللہ نے ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے بہت خوبصورت انداز میں گفتگو کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جب ''قولوا الا اله الا اللّٰه تفلحوا ''(لاالہ الااللہ کہو فلاح پا جاؤ گے) دعوت دی تو اہل مکہ کے تیور بدل گئے،دلوں میں نفرت۔حقارت اور عداوت کے جذبات اُمڈ آئے۔انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات سے چڑ ہوگئی۔ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطر عاطر کو دکھ پہنچتا ان کے لیے وہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتا،چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جانکاہ حادثوں پر اہل مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا۔بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔ان کے اعتقادات،ان کے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جو سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں کمی آ گئی۔انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمع زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔لڑکا تو کوئی ہے نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔

ابتر:اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔قریش کے گستاخ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے حق میں استعمال کرنے لگے تھے۔ابولہب حقیقی چچا تھا،لیکن

بغض و عناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا،تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا:''**بتر محمد الليلة**''یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہوگئی۔عاص بن وائل بھی کہا کرتا تھا:''**ان محمدا ابتر لا ابن له يقوم مقامه بعده فاذا مات انقطع ذكره واسترحتم منه**''یعنی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ابتر ہیں،ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین بنے۔جب یہ فوت ہو جائیں گے،ان کا ذکر مٹ جائے گا اور اس وقت تمہیں راحت و آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا۔

اس قسم کی دل آزاریاں جب تہذیب و شائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں،ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا۔اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۂ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور ازحد مؤثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیرات و برکات کا مژدہ سنایا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک بنا دیا تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا،ان کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔سن لو!یہ سراسر غلط ہے۔میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چشمۂ فیض تاابد جاری رہے گا۔دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔اہل دل اس کی بارگاہ جمال میں اپنی عقیدت ومحبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔ارباب ذوق وشوق بزم عالم کو اس کے ذکر خیر سے آباد رکھیں گے۔درود وسلام کی روح پرور صدائیں ہر لحظہ گلشن ہستی کے لیے مژدۂ بہار سناتی رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم فرش وعرش پر لہرا رہا ہے اس وقت تک میرے پیارے رسول کا ذکر ہوتا رہے گا۔یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں

رہے گی۔

فنا تو وہ ہوگا، نام ونشان تو اس کا مٹے گا، جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت ہوگی۔اسلام کی چودہ صد سالہ تاریخ اس ارشاد خداوندی کی تصدیق وتوثیق کر رہی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا بلکہ ان لوگوں نے خود دیکھا کہ چند سال بعد وہ دل وجان سے اس کے خادم اور پیروکار بن گئے تھے۔وہ ذات اقدس واطہر جس نے ایک تاریک شب میں مکہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کی تھی، جس کا رفیق سفر صدیق اکبر کے سوا اور کوئی نہ تھا، چند سال بعد وہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی سمت بڑھا تو اہل مکہ نے اپنے بند دروازے اس کے استقبال کے لیے کھول دیے اور قریش کے سارے سردار گردنیں جھکائے ہوئے اس کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگئے۔

ضیاءالقرآن ج5ص683-684

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ لہب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے عظمت وشان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبے سے بھرپور کلمات لکھے ہیں۔
اس سورہ کے تعارف میں پیر صاحب لکھتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس گستاخ کا عبرت ناک انجام بیان کرتے ہوئے پیر صاحب لکھتے ہیں:

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت وعداوت کا لاوا پھوٹ نکلے' جہاں سے تائید واعانت کی امید ہو' وہاں سے مخاصمت کا طوفان اٹھنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت عبداللہ اور ابولہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔اس سے بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہوگا اور اس کی

تائید ونصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا۔ نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا۔عرب کا وہ معاشرہ جس جس میں ہادیٔ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی۔قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کہ اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی۔اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلہ کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ابولہب بنی ہاشم کا رئیس تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہاشمی تھے۔اس کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت کو قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا۔دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرہ میں مسلم ہے۔نیز ہمسائیگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموما دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ایسی پاکیزہ زندگی' ایسی من موہنی سیرت' ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب وروز کرتا اور پھر بھی اس مرقع زیبائی ورعنائی پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا۔پھر جس شدت اور خست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کرتا' اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔حضور اپنے گھر میں جب مصروفِ عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کے بدبودار اوجھ' گلی سڑی آنتیں اٹھا کر لاتا اور حضور پر پھینک دیتا۔گھر کے آنگن میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور جہاں ہنڈیا پک رہی ہوتی وہاں غلاظت پھینکنا اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔صرف اسی پر بس نہیں' اس کی بدبخت بیوی امارت ووجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی' ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخرِ شب جب حضور (ﷺ) حرم کی طرف تشریف لے جائیں'

تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹ ہی چبھ جائے۔

اعلانِ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں' اس کے دو بیٹوں' عتبہ اور عُتیبہ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں' جب سرورِ عالم (ﷺ) نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اُس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ اگر تم ان کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو تمہاری میری بول چال' لین دین' آنا جانا قطعاً بند ہو جائے گا۔ تم میرا منہ بھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ دونوں نے حضور (ﷺ) کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی اور عتبہ نے اپنے خبثِ باطن کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا: میں **والنجم اذا ھوی** کے رب سے کفر کرتا ہوں۔ اس ناپاک نے روئے انور پر تھوکنے کی جسارت کی' جو لوٹ کر اُسی کے قبیح منہ پر آ پڑی۔ حضور (ﷺ) کی زبان سے نکلا: الٰہی اپنے کتوں میں سے ایک کُتّا اس نانہجار پر مقرر فرما دے۔ چنانچہ ایک سفر میں ایک شیر نے اُسے پھاڑ ڈالا' لیکن نہ اُس کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کے پلید گوشت کو کھایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آپ سورۃ النجم کے حواشی میں پڑھ چکے ہوں گے۔

ابولہب کی بدباطنی کا ایک اور واقعہ سنیے: نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے حضور کے ساتھ اور حضور کے سارے خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب کے وہ افراد بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا' محض قبائلی عصبیت کے باعث شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے' لیکن ابولہب نے ہاشمی ہوتے ہوئے حضور کی مخالفت کی اور اس بائیکاٹ میں کفارِ مکہ کا ساتھ دیا۔

دینِ اسلام اور رسول اسلام (ﷺ) سے اس کا بغض وعناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور (ﷺ) کے پیچھے لگا رہتا اور حضور (ﷺ) کی تکذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے

جاتے اور حاضرین کو توحید کی دعوت دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے' یہ دیزانہ ہو گیا ہے' اس کے قریب مت جانا' اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید ونصرت کی جتنی توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں' وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت ومخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا۔ اس لیے قرآن کریم میں اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اُس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا۔ اس لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابولہب ذکر کی گئی تا کہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا بھی پتہ چل جائے۔ (ضیاء القرآن ج5 ص701-702)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس گستاخ کا عبرت ناک انجام بیان کرتے ہوئے پیر صاحب لکھتے ہیں:

ابولہب' جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چچا تھا' اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا: **تَبًّا لَکَ اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِھٰذَا ؟** اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی' اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور انتہائی غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کے لیے اُٹھی ہے' وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو۔ یہ بددعا ہے۔ وتب فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا' وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا' اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا' اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا' تاہم بدر کی عبرت ناک شکست پر ابھی صرف

ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا (العدسہ) نمودار ہوا جو چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اس نے جان دے دی۔

اب بھی اس کی نعش کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی۔ جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آ گئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی، تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو گھسیٹ کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے چار رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد اپنے باپ کو یوں کس مپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی، مرنے کے بعد اس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے، تو اولاد کے دل میں محبت یا ظاہرداری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخ بارگاہ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے جو یہ پیشگوئی کی تھی، وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ نعوذ باللہ من غضبه و من غضب رسوله صلى الله عليه وآله وسلم۔ (ضیاء القرآن ج5 ص706-705)

قبلہ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ لہب کا خلاصہ اور پیغام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس سورت کے مطالعہ سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہِ

رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبینِ قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں، غضبِ خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکنے لگتے ہیں! اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ بکے۔ اس کے جواب میں رحمتِ عالم (ﷺ) نے تو اسی حلم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا، لیکن غیرتِ خداوندی جوش میں آ گئی اور تبت یدا ابی لھب فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ عزّت بخاری نے کیا خوب فرمایا ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ضیاء القرآن ج1 ص702

☆ سورۂ احزاب کی آیت 57 کا ترجمہ کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوبصورت انداز اپنایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ○ (احزاب:57)

"بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رُسوا کن عذاب"۔

سورہ احزاب: آیت 57 ضیاء القرآن جلد 4

☆ سورۂ الفتح کی آیت نمبر 8 اور 9 کے حوالے سے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفّظ کے ضمن میں ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان بھی لاؤ اس کی نصرت واعانت میں سردھڑ کی بازی لگادو۔ اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے جملہ مادّی اورادبی وسائل کو پیش کردواوراس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب واحترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ایسانہ ہوکہ تم دین کی خدمت توکرولیکن بارگاہِ نبوّت کے آداب کوملحوظ نہ رکھو۔حضور ﷺ کی اعانت اوراسی طرح حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

(ضیاءالقرآن۔جلد چہارم ص538)

☆ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کا ادب واحترام اسلامی عقائد ونظریات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ادبِ مصطفیٰ نہ ہوتو ایمان بالرسالت ناقص ہے۔یہی وجہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے خودقرآنِ مجید میں بارگاہِ رسالت کے ادب واحترام کا سلیقہ سکھا دیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ انیسویں اوربیسویں صدی میں کچھ نام نہاد علماء اوردانشوروں نے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ ملحوظ نہ رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے پیارے آقاومولیٰ ﷺ کواپنے جیسابشر گردانا،آپ کے علم ومعرفت کوچوپایوں کے علم سے نسبت دی،آپ کے تصور کوجانور کے تصور کی مثل قراردیا،آپ کی ختمِ نبوّت میں نقب زنی کی اورظلّی نبوّت کا دعویٰ تک کردیا۔ان گستاخانہ عبارات اورخیالات سے شہ پاکرآج باطل قوتیں اوراستعماری طاقتیں ناموسِ رسالت میں گستاخی کی جسارت کررہی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخانہ جملے کہے جارہے ہیں، حدتو یہ ہے کہ مغربی طاقتوں کے گماشتے گستاخانہ کارٹون شائع کرکے غلامانِ مصطفیٰ

ﷺ کے قلوب میں زخم لگارہے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کے اُن احکام کا ہمیشہ خیال رکھاجائے جن میں آدابِ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم دی گئی ہے۔

مفسّرِ قرآن پیرمحمد کرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے سورۂ احزاب کی آیات کی تفسیر بہت احسن انداز میں لکھی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''اس سورت (الاحزاب) میں اس رسولِ ذی شان کی عزّت وتکریم کا حکم دیا جارہا ہے، ادب واحترام کے انداز سکھائے جارہے ہیں چونکہ ادب ہوگا تو دل میں تعظیم ہوگی۔تعظیم ہوگی تو اس کے ہرحکم کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جب تعمیلِ حکم کی خُو پختہ ہوگی تو محبت کی نعمت مرحمت فرمائی جائے گی اور جب محبوبِ خداوندذوالجلال کے عشق کی شمع فروزاں ہوگئی تو حریمِ کبریائی تک جانے والا سارا راستہ منور ہوجائے گا''

(ضیاءالقرآن۔جلد چہارم ص577)

سورۂ احزاب کی پہلی آیت یایھاالذین۔۔۔۔۔۔۔ ورسولہٗ'' جس کا ترجمہ ہے اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اوراس کے رسول سے اس ضمن میں مفسّرِ قرآن پیرمحمدکرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے:

''حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے نبی کریم پرایمان لانے کے بعدکسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کریم اوراس کے رسول مکرّم کے ارشاد کے علی الرغم کوئی بات کہے یا کوئی کام کرے۔ جب انسان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اس امر کا بھی اعلان کررہا ہوتا ہے کہ آج کے بعد اس کی خواہش، اس کی مرضی اس کی مصلحت خدااوراس کے رسول کے حکم پر بلاتامل قربان کردی جائے گی۔

یہ ارشاد فقط اہل ایمان کی شخصی اورانفرادی زندگی تک ہی محدود نہیں

بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کو بھی محیط ہے۔ نہ کسی فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو کتاب وسنّت سے متصادم ہو اور نہ کسی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکامِ شرعی کے برعکس کوئی فیصلہ کرے۔

(ضیاءالقرآن جلد چہارم ص 577)

سورۂ احزاب کی اگلی آیت کا ترجمہ ہے ''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم ﷺ) کی آواز سے۔ اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال، اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔''

اس حوالے سے حضرت ضیاءالامت نے تحریر کیا ہے:

اس آیت طیبہّ میں بھی بارگاہِ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جارہی ہے سابقہ آیات میں بتایا کہ قول وعمل میں سرورِ عالم ﷺ سے سبقت نہ کرو۔ اب گفتگو کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ اگر تمہیں وہاں سے شرفِ باریابی نصیب ہو اور ہمکلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب واحترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذراسی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے اعمال حسنہ، ہجرت، جہاد، عبادات وغیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی یاایھا الذین امنوا سے خطاب ہو چکا تھا یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر دوبارہ اہل ایمان کو یاایھا الذین آمنوا سے خطاب کیا۔ انہیں جھنجوڑا

اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول ہونے کا انحصار ہے۔''

ضیاءالقرآن جلد چہارم ص 578

سورۂ احزاب کی اگلی آیات کی تفسیر میں پیر صاحب نے لکھا ہے:

''یہاں لام مقدّر ہے اور یہ لام عاقبت کے لیے ہے یعنی اگر تم سے آواز اونچا کرنے کی بے ادبی ہوگئی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اولاً اور بالذات یہ خطاب صحابہؓ کرام کو ہو رہا ہے جن کا ایثار بے نظیر جن کی قربانیاں بے مثال جن کی عبادتیں خشوع وخضوع میں ڈوبی ہوئی تھیں جو سرتاپا تسلیم ورضا تھے۔ انہیں کہا جارہا ہے کہ اگر تم نے میرے پیارے رسول کی جناب میں آواز بھی اونچی کی تو یہ ایسی گستاخی متصور ہوگی کہ تمہاری سب نیکیاں ملیامیٹ ہو جائیں گی۔ آج جو لوگ حضور کی شان رفیع میں سُوقیانہ باتیں کرتے ہیں، حضور کے علمِ خداداد پر معترض ہوتے ہیں۔ ادب واحترام کو ملحوظ نہیں رکھتے اپنے علم پر، اپنی نیکیوں پر اور اپنے ایمان سوز لمبے لمبے وعظوں پر مغرور ہیں وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

یاد رکھو۔

ادب گاہیست زیرآسماں ازعرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

اللہ تعالیٰ ناموس مصطفیٰ ﷺ کا اتنا پاس رکھتے ہیں کہ وہ دانستہ گستاخی تو ایک طرف نادانستہ بولے جانے والے ناقص المعانی الفاظ کے استعمال سے بھی منع کرتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت 104 میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ایسا ہی حکم دیا ہے جس کی تفسیر ضیاء الامّت پیر محمد کرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ اس طرح سے لکھی ہے:

''راعنا'' ذومعنی لفظ ہے اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیے اور صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم ﷺ کے کسی ارشادگرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے ''راعنا'' اے حبیب الہٰ! ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے۔ ہمارے لیے رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے۔ لیکن یہود کی عبرانی زبان میں یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا، جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزّت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرمادیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تشریح کی ہے'' یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت میں ممنوع ہے جن میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ ''قرطبی'' امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے شخص کو حدِ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔

راعنا کی جگہ اُنظرنا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمائیے) کہا کرو کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرمادی کہ جب میرا رسول تمہیں کچھ سُنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سُنو تاکہ اُنظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ یہ بھی تو شان نبوّت کے مناسب نہیں کہ ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمال ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش وفرش کے مالک نے غلامانِ مصطفیٰ کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم ﷺ کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کردیتے ہیں وہ اپنے انجام پر

خود ہی غور کرلیں۔

(ضیاء القرآن جلد اوّل ص83)

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 157 کا ترجمہ ہے: پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امّی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی، پیروی کی اس نُور کی جو اُتارا گیا آپ کے ساتھ وہی خوش نصیب کامیاب وکامران ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں عظمت وناموس مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہؒ نے مختصر جامع انداز میں لکھا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

''فلاح وسعادت سے صرف وہی سرفراز ہوگا جو میرے مصطفیٰ (ﷺ) پر سچے دل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا اور اس کے نورِ تاباں (قرآن حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شانِ رحمتہ للعالمینی کی آسمانی تفسیر ہے۔ ایمان کے بعد حضور کی تعظیم وتکریم سب سے اہم ہے بلکہ نصرت اور اتباع قرآن کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضور کا ادب واحترام ہو۔

؎ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ضیاء القرآن جلد اوّل ص 92

الغرض ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تفسیر ضیاء القرآن دورِ حاضر کی بے مثال اور منفرد تفسیر ہے جو علم ومعرفت کا خزینہ ہے۔ اسرار ومعانی کا گنجینہ ہے، عرفان وآگہی کا گلدستہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے انوار وتجلیات کا منبع ہے اور طالبانِ راہ حقیقت کیلئے مینارۂ نور ہے۔ عظمت وشانِ مصطفیٰ ﷺ اور ناموس رسالت کے حوالے سے جو نکات اس تفسیر

میں بیان کئے گئے ہیں اس سے پہلے کے اردو کے کسی مفسّر نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس مضمون میں صرف چند آیات کے حوالے سے بات کی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیر صاحب کا قلم قرآنِ مجید کی ہر ہر آیت کے ضمن میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے موتی چنتا نظر آتا ہے اور ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفّظ کا نقیب بنا دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا ہے کہ وہ حضور ضیاء الامت ؒ جیسے بزرگانِ دین کے تصدّق میں ہمیں تحفّظِ ناموس مصطفیٰ ﷺ کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہماری آنے والی نسلوں کے قلوب کو عشق مصطفیٰ ﷺ کے انوار سے منوّر فرمائے (آمین)۔

الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ میرا یہ مضمون جس کا آغاز جون 2008ء کے آخری ہفتے میں مسجدِ نبوی کے صحن میں گنبدِ خضراء کے سامنے کیا تھا، آج اختتام پذیر ہوا اور مجھے قرآن مجید، عظمت وناموس مصطفیٰ ﷺ تفسیر ضیاء القرآن اور حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنی معروضات پیش کرنے کی سعادت ملی۔



ثنا خواں محمد ﷺ کا سارا جہاں ہے

(اک عالم ہے منوّر آپ کے انوار سے)

(دیباچہ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام، تصنیف: ڈاکٹر اظہار احمد گلزار)

سب تعریفیں اللہ رب العزت کیلئے جو ہر مخلوق ہر بے جاں اور ہر ذی روح کا خالق و مالک ہے۔ سب مخلوقات کا پالن ہار اور پروردگار ہے۔ اس کا جتنا بھی شکر گزار ہوا جائے، کم ہے کیونکہ اس کی نعمتوں کا شمار ہی نہیں۔ اس کی عنایات کی کوئی حد ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی اُس رب کائنات کی سب سے بڑی نعمت اور احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں اپنے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت میں پیدا ہونے کا شرف عطا کیا۔ ہمارے پیارے آقا و مولا سیّدِ عرب وعجم سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ رحمتہ للعالمینی کی خلعتِ فاخرہ پہنے، ختمِ نبوت کا تاج سر پہ سجائے اور شفاعتِ کبریٰ کا دوشالہ اوڑھے جب اس کائناتِ ارضی میں تشریف لائے تو اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال و بے نظیر پیدا فرمایا۔ آپ کو حسن وجمال میں یکتا فرمایا تو سیرت وکردار میں بھی تاریخ انسانی آپ کا ثانی ڈھونڈ ھنے سے قاصر ہے۔ ولادتِ باسعادت سے لیکر غارِ حرا کی تنہائیوں میں عبادت گزاری تک اور صفا کی چوٹی پر اعلانِ نبوت سے وصال مبارک کی ساعتوں تک یہ عالم انسانیت آپ کے کردار، گفتار اور قول وفعل کی عظمت، رفعت اور یکتائی کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کفار مکہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ کفار آپ کے عقائد اور آپ کی تبلیغ پر تو معترض تھے لیکن کسی کو آپ کے

کردار پر اُنگلی اٹھانے کی جراُت نہ تھی۔ اپنے بیگانے سبھی آپ کے حسنِ سیرت کے گرویدہ تھے۔ حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ آپ کی ذاتِ اقدس حسن و جمال کا پیکر تھی۔ ساری کائنات کا حسن وزیبائی ایک طرف اور آپ کا چہرۂ والضحیٰ ایک طرف۔

ے حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پیارے آقا سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن و جمال اور سیرت و کردار کے انوار سے جہاں شیدائیانِ مصطفیٰ حلقۂ الفت میں شامل ہوئے وہاں غیر مسلم بھی آپ پر فریفتہ ہوئے۔ وجوہات کچھ بھی ہوں انہوں نے آپ کی عظمت ورفعت کا اعتراف کیا اور آپ کی بارگاہِ اقدس میں کھلے دل سے ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ ''فضل وکمال وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں''۔ سیّدالعالمین خیرالبشر سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ مخالفین بھی آپ کی سیرت، کردار اور گفتار کی پاکیزگی کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور تا قیامِ قیامت جاری وساری رہے گا۔ آپ کی شخصیت کا کمال ہے کہ برنارڈ شا کو کہنا پڑا:

''میں نے بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد ﷺ ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں''۔

فرانسیسی دانشور پروفیسر موسیو سڈیو اس طرح سے خراجِ تحسین پیش کرتا ہے:

''حضرت محمد ﷺ خوش اخلاق، ملنسار، خاموش طبع، خدا تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے، لغویات اور بے ہودہ گوئی سے سخت نفرت کرنے والے، افضل ترین رائے اور بہترین عقل

والے تھے''۔ (خلاصۂ تاریخ عرب)۔

سر ولیم میور اپنی کتاب ''دی لائف آف محمد میں رقم طراز ہیں:

''محمد (ﷺ) کے ایامِ جوانی میں آپ کے اخلاق کی پاکیزگی، راستی اور عاداتِ کریمہ کی طہارت پر سب مصنفین متفق ہیں حالانکہ یہ روایت اہلِ مکہّ میں نہایت کمیاب تھی''۔

ایک اور مغربی دانشور میجر آرتھر کلائن لیونارڈ اپنی کتاب اسلام کا روحانی اور اخلاقی پایہ میں رقمطراز ہے:

''کہ اگر کسی شخص نے خدا کو پایا ہے اور اگر اس نے ایک اچھے، نیک اور عظیم مقصد کے لئے خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی زندگی کو نثار کیا ہے تو یقین جانیے کہ وہ شخص صرف محمد (ﷺ) ہی ہو سکتے ہیں''۔

اعتراف عظمت اور ہدیۂ تحسین پیش کرنے کا یہ سلسلہ غیر مسلم شعراء تک بھی پہنچا۔ برصغیر پاک و ہند کے ہندو شعراء اور سکھ شعراء کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے اپنے اپنے کلام میں اور اپنے اپنے انداز میں رسول کریم ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت شعروشاعری کی صورت میں پیش کیا ہے۔ غیر مسلم شعراء کا ہدیہ نعت بحضور سرورِ کائنات سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پیش کرنے کی وجوہات بہت سی ہیں۔ تاہم سب سے اوّل اور سب سے اہم وجہ یہی ہے کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ پوری کائنات اور اس کی جملہ مخلوقات کیلئے نبی مبعوث ہوئے ہیں اور آپ کی رحمت کا دائرہ جنّ وانس سے بھی ماوراء وہاں تک پھیلا ہوا ہے جہاں تک ربّ العالمین کی خدائی کا وجود ہے۔ اس لئے غیر مسلم بھی حق بجانب ہیں کہ وہ نبیٔ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے رشتۂ الفت جوڑتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی اپنے آپ کو وابستہء

غلامیِ رسول سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک ہندو شاعر ستیش چند طالبؔ دہلوی نے کہا ہے:

یہ ذات مقدس تو ہر انسان کی ہے محبوب
مسلم ہی نہیں بستۂ دامانِ محمد

ایک اور ہندو شاعر سرداری لال نشترؔ میرٹھی یوں کہتا ہے:

فقط ایک نشترؔ ہی کیا مدح خواں ہے
ثنا خواں محمد کا سارا جہاں ہے

ستیہ پال اخترؔ رضوانی کہتا ہے:

از خاکِ عرب تا بہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحبِ الطاف و کرم مانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہل حرم مانتے ہیں

بہرحال غیر مسلم شعراء نے اگر توصیف مصطفیٰ ﷺ کیلئے قلم اٹھایا ہے تو سب سے بڑی وجہ آپ کی بے عیب اور پاکیزہ شخصیت اور بے مثال کردار ہے۔ جس نے ان لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ غیر مسلم شعراء کے نعت کہنے کی وجوہ کا تفصیلی تذکرہ دورِ حاضر کے عظیم نعت گو شاعر جناب راجا رشید محمود نے اپنے ایک مقالے میں کیا ہے جو ماہنامہ نعت لاہور کے خصوصی شمارے میں شائع ہوا۔ بہرحال غیر مسلم شعراء نے بعض اوقات صوفیاء کرام اور اولیائے کاملین کی صحبت میں بیٹھ کر یا تصوف کی روحانی اقدار کا مطالعہ کرنے کے بعد نعتِ مصطفیٰ ﷺ لکھنے کیلئے قلم اٹھایا۔ بعض غیر مسلم شعراء نے مسلمان مفکرین، دانشوروں، اساتذہ کرام اور مسلم معاشرے سے اکتساب کرتے ہوئے بھی نعت لکھی۔ مثلاً اگر کسی غیر مسلم شاعر نے کسی جیّد مسلم شاعر سے سلسلہ تلمّذ جوڑا تو پھر اسکے زیرِ سایۂ وہ بھی نعت کہنے لگا۔ مثلاً امکان ہے کہ پنڈت

ہری چند اخترؔ نے حفیظ جالندھریؒ کے زیر اثر نعت لکھنی شروع کی ہو۔ اور اسی طرح رونقؔ دہلوی نے بھی اپنے استاد لطف بریلوی کے زیر سایہ نعت کہنی شروع کی ہو۔

مسلم معاشرت کے اثر نے بھی غیر مسلموں کو نعت کہنے پر مجبور کر دیا۔ جس طرح مسلم معاشرے نے بعض ہندو رسوم کو اپنایا ہوا تھا جو کہ الحمدللہ اب آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں، اسی طرح نعت گوئی اور توصیف نبی ﷺ کی روایت بھی اردو پڑھنے سننے والے غیر مسلموں نے اپنائی۔ بہرحال غیر مسلم شعراء کا نعت کہنا بہت خوش آئند اور متاثر کن فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب ان کی لکھی نعتیں سنتے ہیں تو حیران اور متعجب ہوتے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں ایک گزارش یہ کرنا ہے کہ اب میڈیا کا دور ہے اور ابلاغ کے مختلف وسائل ہماری بات دوسروں تک احسن انداز میں پہنچا سکتے ہیں۔

ایسے غیر مسلم شعراء جو نعت کی طرف راغب ہیں ان تک اسلام کا روحانی پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ اور اہل اللہ کو چاہیے کہ وہ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اب یہ اُن کی قسمت کہ وہ اس نعمت سے فیضیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔ غیر مسلم شعراء کا اسلامی تعلیمات کا مطالعہ چونکہ سرسری ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے نعت لکھتے ہوئے توحید اور شرک میں فرق رکھنا کارِ محال ہے۔ ویسے بھی اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلویؒ کے بقول نعت لکھنا تیز دھار تلوار پہ چلنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ان کو توحید اور رسالت کی حدود کا ادراک کروایا جائے۔ ہندوستان میں رہنے والے مسلم دانشوروں اور محققین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ آج کے دور میں جو غیر مسلم شعراء نعت لکھ رہے ہیں ان کے کلام کو یکجا کیا جائے اور اُسے ترتیب دے کر پوری دنیا میں غلامانِ مصطفیٰ ﷺ تک پہنچایا جائے۔

اس حوالے سے ہم پاکستان کے اہل قلم کی خدمات بھی حاضر ہیں۔ تاہم

ماضیِ قریب کے غیر مسلم شعراء کا کلام یکجا کر کے اُسے باندازِ احسن شائع کرنے کا اہتمام محترم دوست اور نامور محقق جناب ڈاکٹر اظہار احمد گلزار کے حصے میں آیا ہے۔ انہوں نے اس سعادت کو پایا اور خوب اچھے طریقے سے پایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ادبی اور علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ اردو اور پنجابی ادب کے متوالے ہیں۔ خود بھی لکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ اُن کی تمام تر صلاحتیں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے فروغ کے لیے وقف ہو چکی ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی کتاب ''فخرِ کائنات'' خوبصورت اور جاذبِ نظر انداز میں شائع ہو کر اہلِ عرفان سے داد و تحسین وصول کر چکی ہے۔ ان کی یہ کاوش بھی یقیناً سراہی جائے گی۔ اور اس کے صلے میں ان کو یقیناً دین و دنیا میں سرفرازی نصیب ہوگی۔ میں ان کو اس حسین کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دُعا گو ہوں کہ اُن کا قلم اسی طرح عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار بکھیرتا رہے اور ظلمت کدۂ عالم کو منور و تاباں کرتا رہے۔ آمین۔

غیر مسلم شعراء کے گلہائے نعت میں سے انتخاب پیش خدمت ہے:

امر چند قیس جالندھری

سائل ہیں اُس کے در پہ سلاطین باوقار
حاصل ہے جس کو رتبہ دربانِ مصطفیٰ ﷺ
پڑھتا ہوں نعت جب تو یہ کہتے ہیں اہلِ دل
اے قیسؔ تو ہے بُلبل بستانِ مصطفیٰ ﷺ

☆......☆......☆

اختر رضوانی (ستیہ پال)

از خاک عرب تا بہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحبِ الطاف و کرم مانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہلِ حرم مانتے ہیں

☆......☆......☆

بال کشن داس گرگ

گلہ غم کا نہیں دینے والے، یہ شکایت ہے
جو تجھ کو غم ہی دینا ہے تو غم دینا محمدؐ کا
بلا لیں گے کبھی سرکار والاؐ باغ مجھ کو بھی
مری آنکھیں بھی دیکھیں گی کبھی روضہ محمدؐ کا

☆......☆......☆

بابو برج گوپی ناتھ بیکلؔ امرتسری

ے نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی
ے گو مسلمانوں کا ایک پیغمبر اعظم ہے تو
اپنی آنکھوں میں بھی ایک اوتار سے کب کم ہے تو

☆......☆......☆

برج ناتھ پرشاد مخمور لکھنوی

یہ ارضِ مدینہ ہے کہ فردوسِ بریں ہے
جو ذرّہ ہے اس شہر کا ، وہ مہرِ مبیں ہے
ہندو ہوں، بہت دور ہوں اسلام سے لیکن
مجھ کو بھی محمدؐ کی شفاعت پہ یقیں ہے

☆......☆......☆

بلونت کمار ساگر نکودری

کوئی ہم پایہ ہو تو کیونکر وہ ہو
عرش سے اونچا ہے مقامِ نبیؐ
گو میں بت پرست ہوں اے ساگر
پھر بھی دل میں ہے احترامِ نبیؐ

☆......☆......☆

پنڈت جگن ناتھ آزاد

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر کہ جس کے نور سے پُر نور ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا

☆......☆......☆

منشی پیارے لال رونق دہلوی

اک شور ملائک میں ہوا صلِّ علیٰ کا
رکھا جو قدم عرشِ مُعلّٰی پہ نبیؐ نے
تعظیم مری حشر میں کرتے ہیں ملائک
وہ مرتبہ بخشا ہے مجھے نعتِ نبیؐ نے

☆......☆......☆

چاند بہاری لال صبا ماتھر جے پوری

تصور باندھ کر دِل میں تمہارا یا رسول اللہ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یا رسول اللہ
خدا کا وہ نہیں ہوتا ، خدا اس کا نہیں ہوتا
جسے آتا نہیں ہونا تمہارا یا رسول اللہ

☆......☆......☆

چودھری دِلّو رام کوثری

رحمۃ للعالمین کے حشر میں معنے کھلے
خلق ساری شافعِ روزِ جزا کے ساتھ ہے
لے کے دِلّو رام کو حضرت گئے جنّت میں جب
غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے

اللہ غنی رونقِ بازار محمدؐ
معبودِ جہاں بھی ہے خریدارِ محمدؐ
کچھ عشقِ پیمبر میں نہیں شرط مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمدؐ

☆......☆......☆

رانا بھگوان داس بھگوان

السّلام اے شاہِ خوباں السّلام
نازش و رشکِ حسیناں السّلام
عظمتِ اولادِ آدم ذاتِ تو
السّلام اے فخرِ انساں السّلام

پنجاب دے صوفیائے کرام تے عشقِ رسول ﷺ

پنج دریاواں دی دھرتی پنجاب ایہو جہے لوکاں دی دھرتی اے جنہاں دے من اندر عشق تے محبت دی لو چانناں کردی اے۔ پنجاب دی دھرتی اُتے جنم لیون والے قصّے ہیر رانجھا، مرزا صاحباں وغیرہ ایس ای حقیقت نوں ظاہر کردے نیں۔ عشقِ حقیقی دا نور اپنا جلوہ دکھاؤندا اے تے نمانے بندے نوں سوہنے سچّے ربّ ول راہ سمجھاؤندا اے۔ اَتے سچّے سوہنے ربّ دی معرفت لئی وسیلہ پیارے منٹھار نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ دی ذاتِ بابرکات اے۔ سیانے آکھدے نیں پئی جدوں تیک دلاں اندر عشق رسول ﷺ دی جلوہ گری نہ ہووے اودوں تیکر اللہ پاک دی ذات دی پچھان ہرگز ممکن نہیں۔ پنجابی زبان دے عظیم شاعر تے نامور صوفی پیر وارث شاہ نے ایس ای جانب اشارہ کردیاں آکھیا اے:

اوّل حمد خدا دا ورد کیجے — عشق کیتا سو جگ دا مُول میاں
پہلے آپ ہی ربّ نے عشق کیتا — معشوق ہے نبی رسول میاں

ایہہ اک منّی ہوئی حقیقت اے پئی جدوں دلے اندر عشق دا بھانبڑ مچدا اے تے فیر بندہ بشر معرفت دے اعلیٰ مرتبے تے فائز ہو جاندا اے۔ اوہدے واسطے ایہہ دنیا تے ایس دیاں نعمتاں حقیر تے ہیچ ہو جاندیاں نیں۔ ایس حقیقت نوں پیر وارث شاہ ہوراں انج بیانیا اے:

عشق پیر فقیر دا مرتبہ ہے — مرد عشق دا بھلا رنجول میاں
کھلے اوہناں دے باغ قلوب اندر — جنہاں کیتا عشق قبول میاں

عشق رسول ﷺ ایمان دی جان اے۔ ایس توں بغیر ایمان دی چاشنی تے مٹھاس محسوس نہیں کیتی جاسکدی۔ ایس حقیقت نوں قرآن مجید تے حدیثاں وچ بہت سارے تھاواں تے بیان کیتا گیا اے۔ قرآن مجید دی آیت مبارک اے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ:24)

ترجمہ: تسیں فرماؤ جے تہاڈے باپ، پتر تے تہاڈے بھرا تے تہاڈیاں زنانیاں، تہاڈا کنبہ، تہاڈے کمائی دے مال تے اوہ سودا جہدے وچ تہانوں گھاٹے دا ڈر رہے، تہاڈے پسند دے مکان، ایہہ چیزاں اللہ تے اوہدے رسول تے اوہدی راہ وچ جہاد کرن توں ودھ پیاریاں نیں تاں فیر راہ تکو، ایتھوں تیک پئی اللہ اپنا حکم لے آوے تے اوہ فاسقاں نوں راہ نہیں دیندا۔

ایس آیتِ مبارکہ توں ایہہ صاف ظاہر اے پئی اللہ تعالیٰ تے اوہدے سوہنے حبیب نال پیار سب چیزاں توں پہلوں اے تے ایس توں بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکدا۔

عشق رسول ﷺ دی اہمیت ایس حدیث پاک توں وی صاف ظاہر ہُندی

اے۔ حضور اکرم ﷺ دا ارشادِ پاک اے (ترجمہ):

”تہاڈے وچوں کوئی بھی اوس ویلے تیک مسلمان نہیں ہوسکدا جد تیکر میں اوہدے نزدیک اوہدے باپ، اولاد تے سبھ لوکاں نالوں پیارا نہ بن جاواں“۔ (صحیح بخاری: کتاب الایمان)

اک ہور حدیث مبارکہ اے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوہنے نبی ﷺ دی خدمت وچ عرض کیتا۔ ”یارسول اللہ! سیں مینوں میری جان توں علاوہ ہر چیز توں ودھ پیارے او“۔ نبی پاک نے ارشاد فرمایا: ”تہاڈے وچوں کوئی مومن نہیں ہوسکدا جد تیک میں اوہدے نزدیک اوہدی جان توں وی ودھ پیارا نہ ہوجاواں“۔ ایہہ سن کے سیدنا عمرؓ نے عرض کیتا: ”اوس ذات دی سونہہ جنہے تہاڈے اُتے کتاب نازل کیتی اے، تسیں مینوں میری جان توں زیادہ پیارے او“۔

صحابہ کرام دے دلاں اندر عشق رسول ﷺ کٹا رچیا سی، ایہدی مثال ایس حدیث پاک توں ظاہر ہندی اے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہن تہاڈا ایمان مکمل ہویا“۔ (بخاری شریف)

”غزوۂ احد وچ اک صحابیہ دے تن نیڑے دے عزیز یعنی اوہدا بابل، اوہدا بھرا تے اوہدا گھر والا شہید ہوگئے۔ لوکاں نے اونہوں اوہدے عزیزاں دی شہادت بارے دسیا، پر اونہوں تے صرف اِکو ای تانگھ سی پئی حضور پاک ﷺ کس طرحاں نیں۔ جدوں اونہوں پتا لگیا آپ ﷺ بالکل خیریں نیں تے اوہنے آکھیا: ”مینوں میری سرکار کول لے چلو تاں جے میں آپ دی زیارت کرسکاں۔“ جدوں حضور پاک (ﷺ) دی سوہنی صورت نوں تکیا تے آکھیا۔ ”یا رسول اللہ! تہاڈے ہندیاں سبھ مصیبتاں نہ ہوون برابر نیں“۔

ایہناں حدیثاں توں ایہہ پتہ لگدا اے پئی عشق رسول ﷺ توں بغیر نہ تے ایمان مکمل ہوسکدا اے تے نہ ہی بندہ ایمان دی حلاوت تے مٹھاس دا مزہ چکھ سکدا اے۔

پنجاب دے صوفیاء کرام عشقِ رسول ﷺ دی دولت نال مالا مال سن۔ ایہناں پاک ہستیاں دا مشن ایتھے دے وسنیکاں دی ہدایت تے رہنمائی سی۔ ایس مقصد لئی اوہناں تزکیہ نفس نوں مُڈھ بنایا۔ اوہناں دی ساری دعوت و تبلیغ دا مرکز نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ دی ذاتِ عالی صفات سی۔ ایہہ حقیقت بڑی واضح اے پئی مبلّغ تے صلاح کار نوں خود آپ اسلامی تعلیمات دا نمونہ ہونا چاہیدا اے۔ تے جدوں اوہ عشق رسول ﷺ دی گل کرن تے اوہناں دے لُوں لُوں وچ ایہدی چاشنی رچی ہونی چاہیدی اے۔ صوفیاء کرام دی حیاتی دا ویروا کیتا جائے تے ایہہ صاف جاپدا اے پئی اوہ پکّے تے سچّے عاشقِ رسول سن۔ اوہناں دی زندگی حبّ نبی دا نمونہ سی تے اوہ آپ اسوۂ مصطفوی دا پیکر سن۔ اوہناں دی حیاتی دا ہر پل سوہنے نبی ﷺ دی پاک سیرت دے عین مطابق سی۔ اوہناں دی بول چال، اٹھن بیہن، رہن سہن، لوکائی نال برتاوا، تے عملی کردار سنّتِ نبوی دے مطابق ہندا سی۔ کیوں جے سچّا عاشق تے اوہی اے جہڑا محبوب دی ہر ادا نوں اپنی حیاتی تے لاگو کرے۔

عشقِ رسول ﷺ دا تقاضا ایہہ وی اے پئی جدوں سوہنے منٹھار نبی ﷺ دی ذات تے کوئی حملہ کیتا جاوے یا کوئی بدبخت آپ دی شان نوں گھٹاون دا جتن کرے تے فیر اپنی جند جان دی پروا کیتیوں بغیر ناموسِ مصطفی ﷺ دے تحفظ خاطر ہر ممکن جدوجہد کیتی جاوے۔ پنجاب دے صوفیاء کرام نے وی ایس ای طراں کیتا اے۔ ماضی قریب وچ جدوں پنجاب دی دھرتی دے ایک ناسُور مرزا غلام قادیانی نے عظمت مصطفیٰ تے ڈاکہ ماردیاں ہویاں اپنے نبی ہوون دا دعویٰ کیتا تے اوس ویلے

پوٹھوہار دے اک صوفی باصفا قلندر تاجدارِ گولڑہ شریف پیر سیّد مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے اُتے سیالکوٹ دی دھرتی دے تصوف دی دنیا دے سرخیل پیر سیّد جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بساط توں ودھ کے مرزا قادیانی دی سرکوبی کیتی تے اوہدا ناطقہ بند کر دِتّا۔

پیر سیّد مہر علی شاہ نے تحریری تے عملی طور تے بدبخت مرزا قادیانی دا مردانہ وار مناظرے دے چیلنج دے جواب خاطر برعظیم پاک وہند دے سینکڑیاں علماء تے صوفیاء کرام 25 راگست 1900ء نوں شاہی مسجد لاہور وچ اکٹھے ہوئے تے تمام فرقیاں دے سرکڈھویں علماء نے اُنہاں نوں اپنا سربراہ بناؤن دا اعلان کیتا۔ پیر صاحب نے اپنی قائدانہ صلاحیتاں دے ذریعے اوہدا ناطقہ بند کر دیتا۔ ایسا ہونا ہی سی کیوں کہ خود نبی پاک ﷺ نے پیر صاحب نوں اک خواب وچ مرزا قادیانی دے ردّ دا حکم دیندیاں ہویاں فرمایا سی: ایہہ بندہ میری حدیثاں نوں من مرضی دی قینچی نال کتر رہیا اے تے توں خاموش بیٹھا ایں‘‘۔(مہر منیر ص203)

مختصر گل اے پئی پیر مہر علی شاہؒ نے پوری امت دی اگوائی کردیاں ہویاں ختمِ نبوت دی عظمت دا تحفّظ کیتا تے تاریخ وچ عشقِ رسول ﷺ دی لو ونڈن والیاں وچ اپنا نام لکھوالیا۔

پنجاب دی دھرتی دے اک ہور صوفی بزرگ پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پور سیّداں شریف والے اک سچّے عاشقِ رسول سن۔ ایہناں دی زندگی وی سنّت مصطفوی دے سانچے وچ ڈھلی ہوئی سی۔

عظمتِ ختم نبوّت دے تحفّظ خاطر اوہناں وی اگے ودھ کے عملی جدّ وجہد کیتی۔ اوہناں نے مرزا غلام قادیانی دی شیطانی تحریک دا مردانہ وار مقابلہ کیتا تے اپنے سب علمی، تقریری تے روحانی تصرفات نوں بروئے کار لیاؤندیاں ہویاں

قادیانیت دے تابوت وچ آخری کیل ٹھوکی۔ آپ دیاں دعاواں رنگ لیائیاں تے آپ دی زبان اقدس توں نکلی ہوئی گل حقیقت بن گئی اَتے مرزا قادیانی ہیضے دے مہلک مرض وچ مبتلا ہو کے 26 مئی 1906 نوں مرک گیا۔

ہیر وارث شاہ رحمتہ اللہ علیہ

دوئی نعت رسول مقبول والی جیہندے حق نزول لولاک کیتا
والی کر کے مرتبہ وڈا دتا سبھ خلق دے عیب تھیں پاک کیتا
سرور ہوئے کے اولیاء انبیاء دا اگے حق دے آپ نوں خاک کیتا
کرے امتی روزِ محشر خوشی چھڈ کے جیو غمناک کیتا

خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ

کتھے احمد شاہ رسولاں دا　　محبوب سبھے مقبولاں دا
استاد نفوس عقولاں دا　　سلطاناں سر سلطان دا

حافظ برخوردار رحمتہ اللہ علیہ

منگن آیا منگتا ہور نہ منگاں مول
تیری یاد جناب وچ ہردم عشق وصول
جے کدے لج رکھیں گل اپنے منگاں نام رسول
میں جیہاں لکھ عاصیاں لطفوں کر قبول

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ

واہ کریم امت دا والی مہر شفاعت کر دا
جبرائیل جیہے جس چاکر نبیاں دا سر کر دا
اوہ محبوب حبیب رباناں حامی روز حشر دا
آپ یتیم یتیماں تائیں ہتھ سرے تے دھر دا
نال اشارے ٹکڑے کیتا جس نے چن آسمانی
سُک روڑاں تھیں جس پڑھایا کلمہ ذکر زبانی
سبھو نور اوسے دے نوروں اس دا نور حضوروں
اس نوں تخت عرش دا ملیا موسیٰ نوں کوہ طوروں

پیر سیّد مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جاناں کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں
مکھ چند بدر شعشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے

مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں
سبحان اللہ ما اجملک!
ما احسنک ما اکملک!
کِتھے مہؔر علی کِتھے تیری ثنا!
گستاخ اکھیں کِتھے جا اڑیاں

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ

جھاں عشق حقیقی پایا ، مونہوں نہ کجھ الاون ہُو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں دَم نوں قید لگاون ہُو
نفسی ، قلبی ، رُوحی ، سری خفی اخفیٰ ذکر کماون ہُو
میں قربان تنہاں توں باہو، جھڑے اکس نگاہ جواون ہُو

ہاشم شاہ ہاشمؔ رحمتہ اللہ علیہ

لکھ وار درود سلام تینوں سانوں ربّ دے حکم سنان والے
تساں جیہا متین حلیم کوئی ناں نال دشمناں دے بھلا کمان والے
بے انت بے گنت نے فیض تیرے آقا رحمتاں بن کے آن والے

حضرت سچّل سرمستؒ

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ تجرّ عرف امواج محمدؐ
''قاب قوسین او ادنیٰ'' شرف سب معراج محمدؐ
امّت تیری کیوں غم کھاوے جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچّل کوں غم کوئی نائیں کیتا لا یحتاج محمدؐ

دائم اقبال دائمؔ رحمتہ اللہ علیہ

افضل درّ یتیم کریم اکرم ہو یتیم عربی خوش تصویر آیا
کامل اکمل کمال جمال والا والی سراج منیر آیا
نور العین حضرت مائی آمنہ دا ساری خلق خدا دا دستگیر آیا
عالی شان سلطان امیر ہادی کمل پوش درویش فقیر آیا

ایہناں عظیم صوفیاء کرام دی عشق رسول ﷺ دی مٹھاس نال لبالب بھری شاعری توں اڈ پاکستان بنن توں بعد جھڑے صوفی منش شاعراں نے اپنے کلام راہیں نبی کریم ﷺ نال اپنی محبت تے الفت دا اظہار کیتا اے اوہناں وچ حفیظ تائب ، محمد علی ظہوریؔ، محمد اعظم چشتیؔ ، عبدالستار نیازیؔ تے صائمؔ چشتی دے ناں سرکڈھویں نیں۔ ایہہ سب ہستیاں اگرچہ بہت وڈے پیر یا گدی نشین نہیں سن پر تصوف دی راہ دے مسافر سن۔ اُنج وی عشقِ رسول ﷺ دے موتی لعل صرف ایہناں خوش بختاں دی جھولی وچ ای ہوندے نیں جھڑے کسی سلسلہ دے بزرگ دے دامن نال جُڑے ہندے نیں۔

پاکستان بنن توں بعد اُنج وی نعت اک وکھری تے بھرویں صنف بن کے ابھری۔ اردو یا پنجابی زبان داخیال کیتیوں بعد ایہہ آکھیا جاسکدا اے پئی نعت جنّے بھرویں روپ وچ اج نظر آوندی آے پہلے نہیں سی۔

پنجاب دے جدید صوفی منش شعراء دے کلام توں انتخاب پیش خدمت اے:

حفیظ تائبؔ رحمتہ اللہ علیہ

گاون فلک ترانے اوہدے
خدمت گار زمانے اوہدے
چاکر اوہدے چن تے سورج
نوکر اوہدیاں دُھپاں چھاواں
عشق ترے نے چنبے وانگوں اندر مشک مچایا
یاد تری وچ کوئل وانگوں دل کوُکوُ پیا کردا
اوہدی سیرت سِدھا رستہ دسے گی
حشر سمیں تک آون والیاں نسلاں نوں
تیرے اک دم بدلے رب نے جگ دی راس رچائی
تیرے نغمے دم دم چھوہوے ساہواں دا اکتارا
دیس عرب دیاں راہوں وچ جے مٹّی ہوجاندی
ایہہ میری بے مُلی جندڑی وی انملّی ہوجاندی

عبدالستار نیازیؔ رحمتہ اللہ علیہ

صدقے جاواں میں نبی ﷺ دی ذات توں
بیڑیاں ڈبیاں ہوئیاں جس تاریاں
عظمتاں دا تاج پاکے ربّ سچّے
بخشیاں سوہنے نوں سب سرداریاں
ایہہ فیصلہ پاک قرآن دا اے
حب نبی دی جُز ایمان دا اے
اوہدی بخشش ہر گز نہیں ہونی
جنہوں عشق نبی مختار وی نہیں

محمد علی ظہوریؔ رحمتہ اللہ علیہ

قوسین دے مقام نے ایہہ راز کھولیا
اللہ وی چاہوندا اے رسائی حضور دی
بن دیکھیاں جدھے توں کروڑاں نثار نیں
صورت خدانے ایسی بنائی حضور دی
آئی اخیر وقت جدوں مصطفیٰ دی یاد
مرجانا میرے واسطے آسان ہو گیا
جس نوں ملی ظہوریؔ محبت حضور دی
اللہ دا فضل اوہدا نگہبان ہو گیا

محمد اعظم چشتی رحمتہ اللہ علیہ

ے رُتبہ کراں بیان کیہ اُس بے مثال دا
ثانی نئیں کوئی آمنہ دے لال دا
روندے ہوئے یتیماں نوں گل لان والیا
واقف نہ کوئی تیرے بن دکھیاندے حال دا

ے کلمہ ، حج ، زکوۃ خیراتاں
ورد وظائف صوم صلاتاں
سب عملاں دی جان محمد
نورِ قدیم دی شان محمد

ے جہڑا خادم غوث جلی دا ، اونہوں کوئی لتاڑ نئیں سکدا
جس گلشن نوں علی وساوے ، اونہوں کوئی اُجاڑ نہیئں سکدا
نام لیوا جیہڑا ہند ولی د ا ، اونہوں کوئی وگاڑ نہیں سکدا
اعظم جس تن عشق نبی دا ، اونہوں کوئی دوزخ ساڑ نہیں سکدا

حافظ محمد حسین حافظ

ے کملی والے دے رُخِ انوار اگے چمک جانا کی بدر ہلال دا کم
اوہ بے مثل ہے ذات اُسدی بے مثال اگے کیہہ مثال دا کم
جدوں ہفت افلاک دی سیر کیتی گھڑیاں وچ کیتا لکھاں سال دا کم
سنے جوڑیاں عرش تے پہنچ جانا حافظ ہے ایہہ عرب دے لال دا کم

مکدی گل اے پئی پنجاب دھرتی دے وسینک ایتھوں دے صوفیاء کرام دے شکر گزار نیں جنھاں اپنے عمل، کردار تے کلام راہیں ایتھے عشق رسول ﷺ دی خوشبو کھلاری تے دلاں دی اجڑی کھیتی نوں ہریا بھریا کر کے ایہنوں خوب مہکایا۔ اج جیکر ساڈے دلاں اندر ایمان دی مٹھاس موجود اے تے ایہہ سارا فیضان اے ایہناں صوفیاء کرام دا۔ اللہ تعالیٰ اوہناں دیاں قبراں تے کروڑاں رحمتاں نازل کرے۔ تے حشر تائیں اوہناں دا فیض جاری تے ساری رکھے۔ (آمین)

